قرأت کے وقت سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں حنفی حضرات ناف سے ملا ہوا ناف سے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں حضرت لطیفیؒ حنفی مسلک کے مطابق ہاتھ باندھتے تھے۔

ان باتوں کے علاوہ اور مسائل میں بھی حضرت لطیفیؒ کا اختلاف اہل حدیث سے ہے جیسا کہ تمام حنفیوں کو ہے یہاں چند مشہور مسئلوں کو بیان کیا گیا جن سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر چہ حضرت لطیفیؒ اہل حدیث عالم کے شاگرد تھے مگر وہ حنفی مسلک پر قائم تھے۔

اختلافی مسائل: دیوبند اور بریلی کے علماء کے نقطہ نظر سے:

(۱) ایک مشہور مسئلہ ہے جو ''امکان کذب'' کے عنوان سے مشہور ہے لیکن حقیقت میں یہ مسئلہ ایسا نہیں جیسا کہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے ذرا سوچئے کہ کس مسلمان کے دماغ میں فتور ہوا ہے کہ یہ سوچنے بیٹھے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں، اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حقیقت میں یہ مسئلہ خدا کی قدرت کا ہے دو حضرات جو اپنے وقت کے بڑے عالم تھے منطق اور فلسفہ کے ماہر دونوں کے درمیان اس آیت پر بحث چلی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ. خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِہِمۡ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِ ہِمۡ غِشَاوَۃٌ وَّلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ.

وہ (خاص) لوگ جو کافر ہو گئے برابر ہے آپ ان کو ڈرائیں (عذاب سے) یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے اللہ نے ان کے دلوں اور کان پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے دونوں علماء کے سامنے یہ سوال آیا کہ جن کافروں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے کیا خدا ان کو معاف کر سکتا ہے؟ یا نہیں؟ اس پر شاہ اسمٰعیل دہلوی نے کہا خدا کو قدرت ہے وہ معاف کر سکتا ہے، مولانا فضل حق خیر آبادی نے کہا کہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ اس طرح جھوٹ لازم آئے گا اور جھوٹ عیب ہے اور خدا ہر عیب سے پاک ہے۔ اس پر شاہ اسمٰعیلؒ صاحب نے کہا کہ دیکھئے یہ عیب اس لئے نہیں ہے ایک ہے وعدہ خلافی

یعنی کسی سے وعدہ کرلیا کہ ہم تم کو فلاں چیز دیں گے اور وعدہ کے مطابق نہ دے تو یہ وعدہ خلافی ہوئی یہ بُری بات ہے اور عیب ہے اور ایک ہے دھمکی دینا ایک بادشاہ کسی کو دھمکی دے کہ تم آئندہ ایسی غلطی کرو گے تو تم کو قتل کرادوں گا اور اس نے وہ غلطی کی بادشاہ نے رحم کھا کر اس کو معاف کر دیا تو یہ عیب نہیں کہلائے گا بلکہ عنایت بخشش اور رحم دلی کہلائے لوگ اس کو برا نہیں کہیں گے بلکہ بادشاہ کی رحم دلی کی تعریف کریں گے یہ ''خُلفِ وَعِید'' (دھمکی کے خلاف کرنا) کہلاتا ہے یہ عیب نہیں ہے [1] بظاہر بات ختم ہوگئی لیکن لوگوں نے بات کا بتنگڑ بنادیا اور امکان کذب کے عنوان سے جھگڑا کھڑا کر دیا کہ ''کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے'' ظاہر ہے یہ عنوان اصل مسئلہ نہیں اصل مسئلہ قدرت الٰہی ہے مگر یہ عنوان ایک فساد کی جڑ بن گیا اور بے انتہا بحث کا سلسلہ شروع ہوگیا یہ معاملہ منطق وفلسفہ کی بال کی کھال نکالنے کی روایت کے تحت خاصا الجھ گیا۔

اور یہی ایک مسئلہ دونوں فریقوں کے درمیان اختلافی ہے جس کا ذکر مولانا لطیفیؒ نے اپنی کتاب ''مکتوبات لطیفیؒ'' میں کیا۔ خاص زوردار بحث ہے جھوٹ کی برائی اور عیب ہونے پر اور خدائے عز وجل کے جھوٹ کے عیب سے پاک ہونے پر۔ علمائے دیوبند جھوٹ کی نسبت خدا کی طرف کرنے کو کفر مانتے ہیں اور جھوٹ کا صادر ہونا خدا سے ناممکن مانتے ہیں، لیکن یہ لوگ محال بالغیر مانتے ہیں یعنی قدرت تو ہے لیکن چونکہ جھوٹ عیب ہے اور خدا عیب سے پاک ہے اس لئے جھوٹ کا خدا سے صادر ہونا محال ہے۔ مولانا لطیفیؒ مکتوبات میں قدرت کا بھی انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] یہ بات ایک مثال سے سمجھ میں آسکتی ہے وہ یہ کہ ایک شاعر تھا اپنی نظموں میں حضور ﷺ کی توہین کرتا تھا اور برے القاب سے یاد کرتا تھا حضور ﷺ نے اس کے قتل کا حکم جاری کردیا بعد کو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا تب اپنا تعارف کرا کے معافی چاہی تو حضور ﷺ نے اس کو معاف کردیا اور قتل کا فرمان واپس لے لیا یہی نہیں بلکہ اس نے پھر حضور ﷺ کی شان میں حمد ونعت کہی اور حضور ﷺ کو پڑھ کر سنائی تو حضور ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ اس کو اپنی چادر اوڑھائی اور اس کو عنایت کردی۔ کیا اس سے حضور ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہا جائے گا یا ان کی شان میں اس بخشش سے کوئی کمی آگئی؟

ہاں اگر بتقاضائے سلطان وہم ہمیگویند	ہاں اگر وہم کے بادشاہ کے تقاضے سے کہتے ہیں
کہ چوں ''اِنَّ اللّٰہَ عَلیٰ کُلِّ شَیٔ قَدِیْر''	کہ جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے (آیت کے مطابق)
قول محکم است و سخن دروغ و	یہ محکم (مضبوط) قول ہے اور جھوٹ بولنا اور
بدیں اتصاف ذات باری عزاسمہٗ	اس کے ساتھ متصف ہونا ذات باری عزاسمہٗ کا
شیٔ من الاشیاء است پس ناچاراست	شیٔ ہے اشیاء میں سے پس لازم ہے کہ
کہ تعلق قدرت بدیں اتصاف نیز بذاتہ	قدرت کا تعلق اس اتصاف کے ساتھ بھی بذاتہ
ممکن بود اگر چہ بوصف تقدیس وے ممتنع شود	ممکن ہوگا۔ اگر چہ اس کے مقدس ہونے (عیب سے پاک) کی وجہ سے ناممکن ہوگا
تاالبتہ گفتہ آید کہ تقدیس کہ از صفات	البتہ یہ کہا جائے گا کہ تقدیس (بے عیب ہونا) صفات
ذاتیۂ ویست و مصداقش	ذاتی میں سے خدا کے ہے اور اس کا مصداق
عین ذات است پس امتناع	عین ذات ہے۔ پس محال ہونا
اتصاف معہود بتقاضائے تقدیس عین	مذکور اتصاف عین ذات کی تقدیس کے تقاضے سے
امتناع آں اتصاف بتقاضائے ذات است	اس اتصاف (صفت سے موصوف ہونے) کا محال ہونا
فتأمل (مکتوبات لطیفی، ص:۱۷-۱۸)	ذات کے تقاضے سے ہے (پس غور کرو)

حضرت لطیفیؒ نے بہت عمدہ طریقہ سے یہ بحث پیش کی ہے اور خاص بات یہ کہ انہوں نے علمائے دیوبند کے مسلک کو بھی صاف اور ٹھیک طور پر بیان کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ قدرت کے لحاظ سے بھی محال ہے۔

اس مسئلہ پر علمائے دیوبند سے میری بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اہل سنت کے عقائد کے امام ابوالحسن اشعری اور ابوالمنصور ماتریدی کے نزدیک خدا کی صفتیں نہ عین ذات خدا ہیں نہ غیر یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ لیکن صوفیہ جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں ان کے نزدیک خدا کی صفتیں عین ذات خدا ہیں اس لئے ان صوفیوں کے نزدیک امکان کذب کا مسئلہ اٹھتا ہی نہیں

ہے یہ بحث تو اس وقت ہوتی ہے جب خدا کی صفتوں کو عین خدا نہ مانا جائے اور نہ غیر خدا مانا جائے۔ عام فہم زبان میں کہئے تو یوں کہ عین خدا بھی نہیں خدا سے جدا بھی نہیں۔

غرض یہ مسئلہ خالص علمی اور باریک ہے عوام کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں اور علمائے بریلی کے مطابق مولانا کا یہ فیصلہ ایسا ہے کہ علمائے دیوبند کو اس سے اختلاف بھی نہیں ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس مسئلہ پر ایک مضمون لکھا ہے عنوان ہے ''خدا کی قدرت'' اس میں قریب دوسو سال سے چلنے والے جھگڑے کو بے جھگڑے کے ختم کر دیا ہے اور یہ بحث منطق کے چکر میں پڑی رہی میں نے اس کو ''لغت'' (زبان) کے ذریعہ حل کیا ہے۔

(۲) علم غیب:

یہ مسئلہ بھی ایک مدت سے جھگڑے کی بنیاد بنا ہوا ہے۔ علمائے دیوبند کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت محمد مصطفیٰ سید المرسلین ﷺ کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ علم دیا وہ تمام نبیوں فرشتوں انسانوں جنوں سے بہت زیادہ غیب کی باتیں خدا کی طرف سے دیئے گئے علم کے مطابق جانتے تھے یعنی حضور ﷺ عالم غیب (غیب کے عالم) تھے لیکن ''عالم الغیب'' نہیں تھے ''الغیب'' کے معنی کل غیب کے ہیں اور یہ صفت اسی ذات کے لئے ہے جو بذات خود تمام باتوں چیزوں کا عالم ہے یعنی اللہ تعالیٰ لیکن بریلی علماء مدتوں تک یہی مانتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ''عالم الغیب'' ہیں مولانا ارشد القادری نے جو اس زمانہ میں بریلویوں کے اہم عالم سمجھے جاتے تھے ایک کتاب لکھی اس میں ان آیتوں کو لکھا جن میں خدا کے غیر کے لئے علم غیب کا انکار کیا گیا ہے پھر ان آیتوں کو لکھا جن میں نبیوں کو غیب کی باتیں بتانے کا ذکر ہے اور پھر انہوں نے لکھا کہ جن آیتوں میں خدا کے سوا علم غیب کا انکار ہے اسے مراد ہے کہ ذاتی اور علم کل خدا کے سوا کسی کو نہیں اور پھر علمائے دیوبند کے مسلک کو بھی بتایا کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں لیکن جن لوگوں نے یہ کتاب نہیں دیکھی وہ پرانا راگ ہی الاپ رہے ہیں۔ بہرحال حضرت لطیفی کا مسلک بیان کر رہا

ہوں۔ حضرت لطیفیؒ کے ایک خط سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے اور ان کا مسلک صاف معلوم ہوتا ہے ان کا یہ خط نقل کر رہا ہوں:

با وصف اطلاع بر صفاتیکہ	باوجود باخبر ہونے ان صفتوں کے
ممکن الاطلاع است و باوجود	جن کی خبر پانا ممکن ہے اور باوجود
ادائے عباداتیکہ میسر الادا است	ان عبادتوں کے ادا کرنے کے جن کا ادا کرنا میسر ہے
حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام	حبیب خدا ﷺ کو کیا بات پیش آئی کہ فرمایا
راچہ ماجرا پیش آمد کہ فرمود	(اے خدا) میں نے آپ کو نہیں پہچانا جتنا کہ معرفت کا حق ہے
مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ	اور ہم نے آپ کی عبادت اتنی نہیں کی
وَمَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ	جتنا کہ حق ہے
آرے کمال معرفت و عبادتِ حق	کمال معرفت اور عبادت حق
بے نقصانے ہیچ ہمیں بود کہ	بغیر کسی ذرہ برابر نقصان کے یہی ہوگی کہ
او سبحانہ تعالیٰ بجمیع صفات و مظاہر	اس سبحانہ تعالیٰ تمام صفتوں اور مظاہر کے ساتھ
از بواطن و ظواہر شناختہ	باطنی اور ظاہری (تمام تر) پہچانا جانے
و پرستیدہ شود و بمقتضائے	اور عبادت کی جائے اور بہ تقاضائے
شان ہر مظہرے آدابش بجا آوردہ	شان ہر ایک مظہر اس کے آداب بجالائے جائیں
آید۔ بالجملہ آویزے یا گریزے	فی الجملہ، ایک لگاؤ یا ایک فرار
باید و ایں چنیں شناخت و پرستش	چاہیئے اور اس طرح کی پہچان اور پوجنا
و بجا آوری آداب متعذر الوقوع است	اور بجا آوری آداب کی محال ہے
کہ مظاہرش را پایانے نیست	اس لئے کہ اس کے مظاہر (اس کے جمال وکمال کے ظاہر ہونے کی جگہ) کی کوئی انتہا نہیں ہے
بیشتر صفاتش را بیانے نے	اور اس کی بہت سی صفتوں کا کوئی بیان نہیں ہے

کہ ماورائے موجودات و معلومات	اس لئے کہ موجودات ومعلومات کے ماسوا
بیشترے از معدومات و مجہولات	زیادہ تر معدومات (غیر موجود) مجہولات (جن کا علم نہیں)
در بحر احدیتِ ذات و خزینۂ علم	احدیتِ ذات کے سمندر میں اور خزانۂ علم
آں مبداء کائنات چناں پنہانند	مبداء کائنات (دنیا کے بنانے والے)
	کے سمندر میں اس طرح پوشیدہ ہیں کہ
کہ ہیچ کس را از عوام و خواص	کسی شخص کو عام لوگوں اور خاص لوگوں سے
واخص الخواص ازاں خبرے نیست	اور تمام خاص لوگوں میں سب سے زیادہ خاص
و از وجود آنہا اثرے نے	(یعنی حضور ﷺ) اس کے متعلق کوئی خبر نہیں
	ہے اور ان باتوں کے وجود کا کوئی نشان بھی نہیں
پس چوں بود کہ حق معرفت وحق عبادتش	پس کیونکر ہوسکتا ہے حق معرفت اور اس کی عبادت کا حق
باا قصور و بے ہیچ فتور ادا کردہ شود	بغیر کسی کوتاہی اور بغیر کسی خلل کے ادا کیا جاسکے
بنا بریں اعتراف قصور از آں	اسی بنا پر اقرار کوتاہی کا آں حضرت
سرور دنیا و دیں بجائے خود است	سرور دنیا ودیں کا بجائے خود (درست) ہے

اس خط سے واضح ہوگیا کہ خدا کی تمام صفتوں کا علم حضور ﷺ کو بھی نہیں تھا میں نے اس خط کو مفصل طور پر نقل کر دیا تا کہ پوری بات سامنے آجائے اور حضرت لطیفیؒ کا نظریہ صاف صاف معلوم ہو جائے۔

اس کے علاوہ بھی ان کے خطبات میں جا بجا ایسی باتیں ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ ربیع الاوّل کا پہلا خطبہ:

تعالٰی ثَنَائُہٗ عَمَّا یُحَاطُ مِنْ اَحدٍ مِنْ	بلند ہے اس کی تعریف اس بات سے کہ احاطہ کی
خَــلْـــقِـــہٖ وَیُـــطَـــاق	جائے اس کی مخلوق سے یا طاقت رکھی جائے

یعنی خدا کی تعریف کا احاطہ کسی مخلوق کی طاقت سے باہر ہے۔

جمادی الاولیٰ کا چوتھا خطبہ

وَلَانَـا ظِـر فِـیْ الْـقـلُوب اَلَّا ھُوْ	اور نہیں ہے دیکھنے والا دلوں میں مگر وہی (خدا)
یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰاتِ وَالاَرْضِ وَلَا	جانتا ہے (اللہ تعالیٰ) آسمانوں اور زمین کے غیب کو
یَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِمَّا فِیْ صُدُوْرِ	اور نہیں غائب ہوتا ہے اس سے ذرہ برابر
النَّـاسِ وَلَیْـسٌ کَـمِثْـلِہٖ خَبِیْـرِ	اس چیز سے جو لوگوں کے دلوں میں ہے اور اس کی طرح کوئی خبر رکھنے والا نہیں
یَسْمَعُ کَلَّ مَا یُحَدِثُوْنَ فِیْ نُفُوْسِھِمْ وَیَرٰی	سنتا ہے جو باتیں گذرتی ہیں لوگوں کے دلوں میں اور دیکھتا ہے
کُلَّ مَا یَکْتُمُوْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ	ہر اس چیز کو جو چھپا رہتا ہے ان کے دلوں میں اور
بِشَـــیْءٍ مِــنْ عِــلْـمِــــہٖ .	نہیں احاطہ کر سکتے لوگ کسی چیز کا بھی اس کے علم سے

خطبہ شعبان کا چوتھا

وَھَـلْ مِـنْ عَـلِیْـمٍ غَیْـرِ الـلّٰـہ یَعْلَمُ	اور کیا کوئی علم رکھنے والا سوائے اللہ کے جو جانتا ہو
غَیْبَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ	زمین آسمان کے غیب کو
لَا اِلٰہُ اِلَّا ھُوَ	نہیں ہے معبود مگر وہی

ان تمام حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت لطیفیؒ کے مطابق رسول اللہ کو مخلوقات میں سب سے زیادہ علم رکھنے یعنی تمام انسانوں، جنات اور فرشتوں حتیٰ کہ تمام نبیوں سے بھی زیادہ علم رکھنے کے باوجود خدا کے برابر غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی یہ علم ان کا ذاتی تھا۔

ایک لطیفہ حضرت لطیفیؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ سنا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں رسول اللہ کو عالم الغیب مانتے ہیں میں تو خدا کو بھی عالم الغیب نہیں مانتا۔ اس بات کو سن کر کوئی تہی مغز جلد باز مولوی مولانا لطیفیؒ کو کفر کا فتویٰ دیدے گا اس لئے کہ قرآن میں بہت سے مقامات میں خدا کو عالم الغیب کہا گیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کو عالم الغیب نہیں مانتا۔ تو جناب ذرا ٹھہریئے اور سوچئے کہ اتنے بڑے عالم اور صوفی ایسا کیوں کہہ رہے ہیں یہ بات بڑی گہری ہے اس کے لئے پہلے یہ سمجھئے کہ ''غیب'' کس کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہ ''غیب'' کے مقابلہ میں ''شہادۃ'' کا لفظ بار بار قرآن حکیم میں آیا ہے۔ شہادت کو پہلے سمجھئے۔ شہادۃ اس کو کہتے ہیں جس کو ہم اپنے حواس کے ذریعہ محسوس کر سکتے ہیں، حواس ۵ ہیں: (۱) نظر، (۲) سننا (۳) سونگھنا (۴) چکھنا (۵) چھو کر محسوس کرنا۔ ان چیزوں کے ذریعہ جو علم ہو وہ علم شہادت ہے اور جس چیز کا علم ان چیزوں کے ذریعہ نہ ہو ان کو غیب کہا جاتا ہے یعنی جس چیز کو آپ نہ دیکھ رہے ہوں، نہ سن رہے ہوں نہ سونگھ رہے ہوں نہ چکھ رہے ہوں نہ چھو کر اس کی سختی نرمی سردی گرمی وغیرہ محسوس کر رہے ہوں وہ غیب ہے یعنی ہم سے آپ سے جو غائب ہو وہ ہمارے آپ کے لئے غیب ہے۔

اب جب یہ بات صاف ہوگئی تو یہ بتایئے کہ خدا سے کون سی چیز غائب ہے؟ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں تو پھر وہ عالم الغیب کہاں ہوا ہر چیز اس کے سامنے ہر چیز کا ظاہر باطن اس کے سامنے ہے تو خدا کا علم علمِ شہادت ہے نہ کہ علم غیب۔

پھر آپ کہیں گے کہ قرآن میں خدا کو عالم الغیب کہا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کو عالم الغیب اس کی ذات کے لحاظ سے نہیں کہا جاتا بلکہ جو چیزیں ہمارے لئے غیب ہیں ان کو خدا جانتا ہے اس لئے ہمارے لحاظ سے عالم الغیب کہا جاتا ہے۔

یہ واقعہ حضرت لطیفیؒ کا مولانا بدرالدین اعظم نگری کے ذریعہ معلوم ہوا۔ ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب ماننے کی خبر سن کر حضرت لطیفیؒ نے اس کا مزاحیہ انداز میں انکار کیا۔

(۳) مَالِکُ

یہ مشہور ہے کہ علمائے بریلی اللہ کو خالق اور رسول اللہ ﷺ کو مالک مانتے ہیں اور ان کو مختارکل ماتے ہیں جس کو چاہیں جنت دیں جس کو چاہیں جہنم رسید کریں اگر چہ اس نظریہ کی تردید قرآن کی آیتوں اور حدیثوں سے ہوتی ہے مگر میں یہاں یہ بحث نہیں کر رہا ہوں بلکہ حضرت لطفیؔ کا بیان پیش کرنا ہے۔

پہلا خطبہ محرم کے ماہ کا

یَـا قَـوُمُ هَـلُ مِـنُ حَـاكِـمٍ مِـمَّـنُ سِـوَاالـلّٰـهِ الْـحَـكَـمُ	اے قوم کیا کوئی حاکم ہے؟ اللہ کے سوا جو حکم نافذ کرنے والا ہے
يَجْرِىُ لَكُمُ مِنُ حكُمِهٖ اِجْرَاءُ حُكُمِ جَابِرٍ	تمہارے اوپر اپنے حکم کو جاری کرتا ہے جابر کے حکم کی طرح
يَا قَـوُمِ هَلُ مِنُ مَالِكٍ مِمَّنُ سِوَى اللّٰهِ الْوَلِىَ	اے قوم کیا کوئی مالک ہے اللہ کے سوا جو ولی ہے سب کا
يَكْفِي لَكُمُ فِىُ اَوَّلٍ يَجْزِىُ لَكُمُ فِىُ آخِرٍ	کفایت کرتا ہے تمہاری دنیا میں اور بدلہ دیتا ہے آخرت میں

دوسرا خطبہ ماہ محرم کا

لَا مُـعْـطِـى وَلَا مَـانِـعَ اِلَّا هُـوَ	کوئی نہیں عطا کرنے والا اور نہ روکنے والا سوائے اس (خدا کے)
يَـرُزُقُ مَـن يَـشَـاءُ بِغَيُـرِ حِسَـاب	روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب

دوسرا خطبہ ماہ صفر کا

لَانَـا صِـر فِـى حُـصُـوُلِ الْمُرَادِ اِلَّا هُوَ	کوئی بھی مددگار نہیں مراد کے حاصل کرنے میں سوائے اس (خدا) کے
وَلَا هَـادِىَ اِلـىٰ سَبِيْـلِ الرَّشَادِ اِلَّا هُوَ	کوئی بھی ہدایت کرنے والا نہیں ہدایت کی راہ کی طرف سوائے اس (خدا) کے
وَلَا مُـنَـادِىَ اِلـىٰ طَرِيْقِ السَّدَادِ اِلَّا هُوَ	اور کوئی بھی پکارنے والا نہیں سیدھی راہ کی طرف سوائے اس (خدا) کے

وَلَا قَادِرَ عَلٰی رَفْعِ مَکْرِ النَّفْسِ الْمَکَارِہِ اَلَّا ھُوْ	اور کوئی بھی قادر نہیں نفس غالب کے مکر کو دفع کرنے والا سوائے اس (خدا) کے

جمادی الاولیٰ کا چوتھا خطبہ

ھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ	وہی غالب ہے اپنے بندوں پر
وَالْقَادِرُ عَلٰی مُرَادِہٖ	اور قدرت رکھنے والا ہے اپنی مراد پر
وَلَہُ الْکِبْرِیَاءُ وَالْبَقَاءُ	اور اسی کے لئے ہے بڑائی اور بقاء
وَالْعِزَّاتُ وَالْغَنَاء	اور عزتیں اور غنی ہونا
وَکُلُّ مَنْ سِوَاہُ ذَلِیْلٌ وَّفَقِیْرًا	اور اس کے سوا جو بھی ہیں وہ ذلیل اور محتاج ہیں

غرض اپنے خطبات میں حضرت لطیفیؒ نے

خدا کے سوا کسی کو حاکم ہونے مالک ہونے اور عطاء کرنے والا ہونے اور عطا کو روکنے والا ہونے، رزاق ہونے مراد حاصل کرنے میں مددگار ہونے اور ہدایت کی راہ دکھانے والا ہونے، سیدھی راہ کی طرف بلانے والا ہونے اور نفس کی برائیوں اور مکر کو دفع کرنے پر قادر ہونے کا انکار کیا ہے۔

اور یہ کہ وہی غالب ہے اپنے بندوں اور قادر ہے اپنے ارادہ پر اور اسی کے لئے ہے بڑائی اور بقائے دوام عزتیں اور غنی ہونا۔

اور اس کے سوا تمام کے تمام ذلیل اور محتاج ہیں۔

حضرت لطیفیؒ کا آخری جملہ: خدا کے سوا جو بھی ہیں وہ ذلیل اور محتاج ہیں۔ اگر بغیر حوالہ کے کسی بریلوی عالم کے سامنے پیش کیا جائے یا اس شخص کے سامنے جو حضرت لطیفیؒ سے واقف نہ ہو تو فوراً کفر کا فتویٰ دے دیگا۔ اس لئے کہ ان کا جملہ ''کُلُّ مَنْ سِوَاہُ ذَلِیْلٌ وَفَقِیْر'' شاہ اسمٰعیل دہلوی کے جملہ کی طرح ہے تقویۃ الایمان کا یہ جملہ ''ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے''۔

شاہ صاحب کے جملہ میں ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا ہے حضرت لطیفیؔ کے یہاں ''اس کے (خدا کے) سوا کل ''کُل'' کے لفظ میں سب کے سب جو بھی خدا کے سوا ہیں آ جاتے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل نے ''بڑا ہو یا چھوٹا'' لکھ کر اس کی وضاحت کر دی۔ اور ''چمار سے بھی'' کا فقرہ زیادہ ہے وہ بھی ایک وضاحت اور صورت ذلیل ہونے کی ہے۔ مطلب دونوں قول کا ایک ہی ہے غرض دونوں ہی ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔

بات کا بتنگڑ بنانا کسی تعصب یا اختلاف کی وجہ سے جھٹ سے کفر کا فتویٰ جڑ دینا آسان ہے خاص کر جب کسی سے پرخاش ہو تو الزام دینے کے لئے کسی کے قول میں برائی کا پہلو نکال کر فتویٰ دینا کچھ لوگوں کا دل چسپ مشغلہ ہے جبکہ ہر قول میں کہنے والے کی نیت اور کس مقام پر کس کے مقابلہ میں یہ بات کہی جا رہی ہے اس پر لوگ کم ہی غور کرتے ہیں یا کم ہی لوگوں کو توفیق ہوتی ہے یا اہلیت ہوتی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہاں کسی انسان سے نہیں بلکہ خالق کائنات سے مقابلہ کیا جا رہا ہے مخلوق کا جبکہ مخلوق اپنی تخلیق سے پہلے نیست محض اور غیر موجود ہوتا ہے اور خدا کے ارادہ سے اس کا وجود ہوتا ہے دنیا میں سب سے بڑا رتبہ والا دنیاوی اعتبار سے بادشاہ کو سمجھا جاتا ہے اور چمار کو ذلیل مانا جاتا ہے جبکہ بادشاہ اور چمار دونوں آدم وحوا کی اولادیں ہیں دونوں ہی انسان ہیں بادشاہ نے چمار کو پیدا نہیں کیا نہ ہی چمار کیڑا مکوڑا ہے بلکہ وہ بھی بادشاہ ہی کی طرح انسان ہے اور کیا یہ ناممکن ہے کہ بادشاہ فقیر ہو جائے اور چمار کا پیشہ اختیار کر لے اور چمار کی قسمت کھل جائے تو خدا اس کو بادشاہ بنا دے۔ لیکن کوئی بھی آدمی خدا نہیں ہو سکتا اور نہ خدا آدمی بن سکتا ہے اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ بادشاہ اور چمار میں جو فرق ہے اس سے زیادہ فرق خدا اور تمام مخلوقات میں ہے پھر یہ بات اس طرح کہی گئی ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا گیا بلکہ تمام مخلوقات کہا گیا ہے۔

اب ہم دیکھیں گے کہ ان دو حضرات کے علاوہ اور کہیں ایسی بات ہم کو ملتی ہے؟

قرآن حکیم میں ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّه

بدر میں اللہ نے تمہاری مدد کی حالانکہ تم سب اس وقت ذلیل تھے

یہاں ذلیل سے مراد ضعیف وناتواں بے سروسامان ہے۔

ملاحظہ ہو قرآن نے بدر میں سب مسلمانوں کو جن میں حضور ﷺ بھی تھے۔

''اَذِلَّه'' (ذلیل) کہا ہے

اب حدیث کو دیکھتے ہیں ہیں عوارف المعارف، باب:۶۳ واں ذکر ہدایت ونہایت میں ہے:

وَبَلَغَنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم	ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
حَدِیْثٌ اَنَّهٗ قَالَ لَایَکْمَلَ اِیْمَانُ الْمَرْءِ	آدمی کا ایمان کامل نہیں ہوتا
حَتّٰی یَکُوْنَ النَّاسُ عِنْدَهٗ کَالأَبَاعِرِ	جب تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک اونٹ کی مینگنیوں کی طرح نہ ہو جائیں

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے، انہوں نے فرمایا: کسی کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو تمام مخلوق ایسی نہ دکھائی دے جیسے کہ اونٹ کی مینگنی۔

حضرت نظام الدین نے دراصل اس حدیث کے مضمون کو بیان کر دیا ہے۔

عربی لغت میں ''ذَلَّ'' کے معنی متواضع اور منقاد کے آئے ہیں منقاد کا مطلب ہے تابع فرمان ہونا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت لطیفیؒ کا یہ کہنا قرآن حدیث کے موافق ہے مخالف نہیں۔ لیکن بریلوی حضرت کے بالکل خلاف ہے۔

اس قول کا مقصد کسی کی توہین نہیں بلکہ انبیاء اولیاء کے متعلق محبت میں غلو کرنے سے روکنا ہے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں غلو کیا اور ان کو خدا کا بیٹا اور پھر خدا بنالیا، یہودیوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا بنالیا۔ یہ مذہب تو ایک خاص مدت تک کے لئے

آئے تھے اور شریعت محمدی تو قیامت تک کے لئے ہے خدا جانے لاکھوں کروڑوں اربوں کتنے برس پر قیامت برپا ہوگی اس درمیان کوئی نبی بھی آنے والے نہیں کہ پھیلی ہوئی گمراہی کو سابق نبی کی شریعت کو منسوخ کر کے دور کر دے۔ اب تو یہ علمائے امت کا کام ہے کہ بدعتوں اور بداعمالیوں اور غلط عقائد اور گمراہی کو روکیں اس بات کو سمجھانے کے لئے ایسی باتیں کہی جاتی ہیں کہ لوگ شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر اصل دین کو نہ کھودیں۔ غلو سے مطلب یہ کہ نبی یا ولی کو خدائی اختیارات کا مالک ماننا خدائی صفتوں میں خدا کا ہم پلہ ماننا وغیرہ۔

اب ایک اور قول حضرت لطیفیؒ کا ان کی کتاب ''بما اغنیٰ من الکلام'' (ایسی باتیں جو علم کلام (عقائد) سے بے نیاز کرنے والی ہیں) سے انہوں نے خدا کے مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

مالکے است کہ اورا ہیچ شریکے نیست	(خدا) ایسا مالک ہے کہ (اس کے مالک ہونے) میں اس کا کوئی شریک نہیں
بادشاہست کہ اورا وزیرے نیست	(خدا) ایسا بادشاہ ہے کہ اس کا کوئی وزیر نہیں

یعنی مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کے نزدیک خدا ایسا مالک ہے کہ اس کی ملکیت میں کوئی بھی شریک نہیں چہ جائیکہ کوئی اور مالک ہو اور وہ ایسا بادشاہ ہے کہ اس کا کوئی وزیر بھی نہیں۔ غرض مولانا لطیفیؒ کے نزدیک بریلویوں کا یہ نظریہ کہ خدا خالق ہے اور رسول اللہ ﷺ مالک ہیں بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔

اسی کتاب کے ص:۳۴ میں فرماتے ہیں

سُبْحَانَ مَنْ لَا فَاعِلَ سِوَاہُ	پاک ہے وہ ذات کہ نہیں ہے فاعل (حقوقی) کوئی بھی اس کے سوا

(۴) بشر یا نور؟ یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے اور حیرت کی بات ہے کہ اس میں اختلاف کیوں ہوا۔ حضرت لطیفیؒ نے مستقل طور پر اس کے متعلق کوئی نظریہ پیش نہیں کیا ہے مگر

اپنے مکتوبات میں ص:۵۱ پر لکھا ہے:

در حدیث دیگر از سید بشر مروی ست — دوسری حدیث میں بشر کے سردار سے روایت ہے

اور ایک جگہ ہے

بشنوائے خبر خیر البشر — خیر البشر کی خبر کے اشارہ کے مطابق

ظاہر ہے بشر کے سردار اور خیر البشر بشر سے خارج نہیں ہوں گے۔

آدم کی اولاد سے حضور ﷺ ہیں اور آدم بشر تھے اور ابو البشر بھی حضور ﷺ کے باپ دادا سب بشر آدمی تھے ظاہر ہے یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ انسان کی اولاد انسان نہ ہو اگر چہ یہ ممکن ہے کہ خدا کے حکم سے آدمی کی اولاد میں کوئی اور مخلوق ہو جائے مگر وہ الگ مخلوق نظر تو آئے گی نہ یہ کہ سر سے پاؤں تک آدمی نظر آئے سب آدمیوں کی طرح ہاتھ پاؤں سر، آنکھ ہو سب کی طرح چلتا پھرتا ہو، کھاتا پیتا ہو، بولتا ہو سنتا ہو، سمجھتا ہو دیکھتا ہو، اوڑھتا پہنتا ہو، پیشاب پاخانہ بھی کرتا ہو، شادی بھی کرتا ہو، بیوی سے صحت بھی کرتا ہو اولاد بھی پیدا ہوتی ہو ہر لحاظ سے آدمی نظر آتا ہو، اس کو اگر یہ کہیں کہ آدمی نہیں تو کوئی بھی آدمی کہہ سکتا ہے کہ میں آدمی نہیں بلکہ کوئی نوری مخلوق ہوں تو اس کی تردید کیسے کی جائے گی۔

حضرت لطیفیؔ نے کہیں بھی حضور ﷺ کو بشر سے خارج کر کے نوری مخلوق قرار نہیں دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر اس کی ضرورت کیا ہے؟ کیا اس سے حضور ﷺ کا درجہ بڑا ہو جائے گا؟ ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل رکھنے والی تین ہی مخلوق پیدا کی ہے: (۱) فرشتے یہ نوری مخلوق ہیں (۲) جن یہ ناری (آگ) مخلوق ہیں (۳) خاکی مخلوق انسان جس کے پہلے آدمی بشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا پلان خدا نے فرشتوں کو بتایا تو فرمایا:

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ — میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں

اس سلسلہ میں فرشتوں کا اعتراض خدا کا جواب مشہور ہے پھر جب فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہو گئی تو خدا نے فرشتوں اور جن کے سردار ابلیس سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو

تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے انکار کیا۔

ظاہر ہے فرشتے نوری ہیں تمام فرشتوں نے آدم کو سجدہ خدا کے حکم سے کیا تو ظاہر ہوا کہ آدم فرشتوں سے افضل اور مرتبہ میں بڑے ہوئے پھر قرآن میں ہے:

لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ — میں نے بنی آدم کو عزت بخشی

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ — بیشک پیدا کیا ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں

غرض اللہ تعالیٰ نے آدمی کو نوری مخلوق سے افضل اور برتر قرار دیا ہے پھر ہم حضور ﷺ کو نوری قرار دے کر ان کا مرتبہ تو نہیں گھٹا رہے ہیں کیا کبھی سوچا ہے کہ ہم اگر حضور ﷺ کو آدمی (بشر) سے خارج کرتے ہیں تو ان کا مرتبہ گھٹاتے ہیں اور شیطان ہم کو سکھاتا ہے کہ تم حضور ﷺ کو بشر نہ مانو۔

حیرت بالائے حیرت یہ کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ قرآن اس میں تفسیر مولانا نعیم صاحب کی ہے ان کے شروع میں فہرست مضامین قرآن ہے اس میں مختلف عنوان کے تحت آیتوں کے حوالے درج کئے گئے ہیں اسی میں ایک عنوان ہے ''انبیاء کرام کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے'' اور اس کے ضمن میں چند آیتیں لکھی ہیں جن میں کفار نے رسولوں کو بشر کہا ہے۔ پہلے تو میں عقلی طور پر یہ بحث کر رہا ہوں کہ کفار اگر آدمی کو آدمی، پتھر کو پتھر، سونے کو سونا، گھوڑے کو گھوڑا کہیں تو کیا اس لئے ہم ان باتوں کا انکار کریں گے کہ کفار ایسا کہہ رہے ہیں ظاہر ہے کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے۔ ہاں اگر ایسا ہو کہ کفار کے علاوہ تمام لوگ کوئی اور بات کہیں اور صرف کفار ہی سب کے خلاف بولیں تو کہا جائے گا کہ ایسا کہنا کفار ہی کا طریقہ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کفار نے رسولوں کو بشر کہا تو رسولوں نے کفار کو کیا جواب دیا؟ ظاہر ہے کفار نے جب بشر کہہ کر بشر ہونے کی وجہ سے ان کے نبی ہونے کا انکار کیا (کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا) تو چاہئے تو یہی اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے جواب میں نبی حضرات ﷺ فرماتے کہ تم نے غلط سمجھا ہم بشر نہیں ہیں اب تو ایمان لے آؤ۔ عقل کیا کہتی

ہے کہ کفار بشر کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر رہے تو کیا چاہیئے رسول اگر بشر نہیں تھے تو کہہ دیتے کہ ہم بشر نہیں ہیں بات ختم ہو جاتی کفار ایمان لے آتے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں کہیں بھی کفار کے یہ کہنے پر کہ تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو تو تم پر کیوں ایمان لائیں تو رسول نبیوں نے انکا کیا جواب دیا۔

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے سب سے پہلے کافر ابلیس کی زبان سے سب سے پہلے آدمی اور نبی کو بشر کہلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ نبی کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے وہ آیت یہ ہے:

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِاَسْجُدَ بَشَرًا خَلَقْتَهٗ مِنْ	بولا (ابلیس) مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ	بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی

پ:۱۴، سورہ الحجر، آیت ۳۳

لیکن غائب دماغی یہ وہ اس سے پہلے خدا نے آیت: ۲۸ میں فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ	اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں
خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ	سے فرمایا میں آدمی کو بنانے والا ہوں بجتی
حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ، الحجر:۳۳	مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے

اب دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھئے زیادہ فاصلہ بھی نہیں بیان ایک ہی ہے۔یعنی خدا نے آدم علیہ السلام کو بنانے کے موقع پر فرمایا میں ایک آدمی (بشر) کو بنانے والا ہوں۔ پھر بنانے کے بعد سب کو اسی بشر کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ مگر ابلیس کے سوا، سب نے اس کو سجدہ کیا پھر خدا نے ابلیس سے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں بشر کو سجدہ کروں میرے لئے زیبا نہیں سوچنے کی بات یہ ہے کہ خدا نے آدم کو بشر کہا شیطان نے بھی بشر کہا۔ تو خانصاحب کا یہ کہنا کہ ''انبیاء کرام کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے'' اور ایسی آیت کو ثبوت میں پیش کرنا جس میں شیطان نے آدم علیہ السلام کو بشر کہا اور ۲ آیت پہلے خدا نے بھی آدم کو بشر کہا۔ تو جو بات خدا نے خود کہی وہی بات ابلیس نے بھی آدم علیہ السلام کے متعلق کہی تو یہ طریقہ کفار کیسے ہو گیا۔ اب دوسری آیت جو

انہوں نے پیش کی جو یہ ہے:

مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَاكُلُ مِمَّا تَاكُلُوْنَ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ	کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو تب تم ضرور گھاٹے میں ہو۔
المؤمنون (۳۳-۳۴)	

اب ذرا دیکھئے کہ جب کفار نے ان نبیوں کو بشر کہہ کر نبی ماننے سے انکار کر دیا تو عقل کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہ نبی حضرات فرما دیتے کہ ہم بشر نہیں ہیں اور نہ ہونے کی دلیل دیتے تو جھگڑا ختم ہو جاتا لیکن انہوں نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا۔ ان ہی آیتوں کے بعد جب کفار کے انکار کا بیان ختم ہوا تو نبی نے کیا کہا قرآن میں ہے اس سے آگے:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ	عرض کی (نبی نے) کہ اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اللہ نے فرمایا کہ کچھ دیر جاتی ہے کہ یہ صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے
المومنون. (آیت:۳۹-۴۰)	

غرض نبیوں نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا بشر نہ ہوتے تو انکار کرنے میں رکاوٹ کیا تھی سچی بات کہہ دیتے کہ ہم بشر نہیں۔

اب ایک اور آیت:

قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا	بولے (کفار) تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی
(یٰسٓ:۱۵)	

یہاں بھی کفار یہ کہہ کر نبی ماننے سے انکار کر دیا کہ تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو ہم تم کو نبی کیوں مانیں۔ تو جس بنیاد پر نبی ماننے سے انکار کیا وہ یہی کہ تم بشر ہو۔ اگر بشر نہیں تھے تو کیا چیز

روکنے والی تھی کہ یہ کہیں کہ ہم بشر نہیں ہیں اب یہاں بھی دیکھئے کہ ایسے موقع پر نبیوں نے کیا کہا اسی آیت کے بعد نبیوں کا جواب دیکھئے:

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّا اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْن — وہ (نبی حضرات) بولے ہمارا رب جانتا ہے بیشک ضرور ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں

کیا نبیوں کا ایسا کہنا بکواس ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک بشر کہہ کر نبی ماننے سے انکار مگر اس کا جواب نہیں بات دوسری کہہ رہے ہیں بشر کہنے کا کوئی جواب نہیں۔

فَقَالُوْا اَبُشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (التغابن:٦) — تو بولے کیا آدمی ہیں راہ بتائیں گے تو کافر ہوئے

اس آیت کے بعد اللہ کی طرف سے کافروں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے لیکن نبیوں کے بشر ہونے کا انکار نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ نبی حضرات جواب دینے سے قاصر تھے بلکہ جب نبیوں کے بشر ہونے کی بات سب کے نزدیک ظاہر اور مانی ہوئی ہے جو چیز کہ کھلی آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے پھر ایسی کھلی حقیقتوں کا انکار وہ کیوں کرتے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خانصاحب نے جو آیتیں اپنی دلیل میں پیش کی ہیں جن کے مطابق انبیاء کو بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان آیتوں میں سے پہلی آیت سے یہ ثابت ہوا کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے بشر کہا اس کے بعد ابلیس نے بھی اسی کو درست مانتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو یہ دلیل تو خانصاحب کی الٹی پڑی کہ جس چیز کو وہ کفار کا طریقہ بتا رہے ہیں وہی بات خدا نے بھی کہی اور بعد میں آیتوں سے نبیوں کو کفار کا بشر کہنا ثابت ہے لیکن نبیوں نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا نہ خدا ہی نے کافروں کے دعویٰ کو جھٹلایا۔

اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ کیا قرآن حکیم میں اور بھی آیتیں ہیں جن میں نبیوں کے بشر ہونے کا تذکرہ ہے تو ہم کو یہ آیتیں ملتی ہیں سورۂ ابراہیم، آیت: ۱۰ میں ہے کہ کفار نے کہا کہ ''تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو اس کے بعد فوراً آیت نمبر: ۱۱ میں یہ جواب دیا گیا:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا	ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ	تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ	میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔

(سورہ ابراہیم، آیت:۱۱)

یہ ترجمہ کسی اور کا نہیں خود مولانا احمد رضا خانصاحب کا ہے۔ اس میں لفظ ''رُسُل'' استعمال ہوا ہے۔ ''رسول'' لفظ واحد ہے یعنی ایک رسول کو رسول کہا جائے گا اور رُسُل جمع ہے اور عربی زبان میں کم سے کم ۲ سے زیادہ یعنی کم سے کم ۳ پر جمع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں بہت سے رسولوں کی طرف سے کفار کے یہ کہنے پر کہ آپ تو بشر ہیں آپ پر کیوں ایمان لائیں جواب دیا گیا ہم تو تمہاری طرح سے انسان ہیں۔

اب ایک اور آیت ہے اس آیت سے پہلے یہ بیان قرآن حکیم میں ہے کہ کفار نے حضور ﷺ سے طرح طرح مانگیں کیں جیسے ''زمین سے کوئی چشمہ بہادو'' یا آپ کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اس میں بہتی نہر جاری کردو یا تم ہم پر آسمان گرادو یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لاؤ یا تمہارا مکان سونا سے بنا ہو ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور باتیں۔ اس پر یہ آیت اتری:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا	تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کی میں
(پ:۱۵، بنی اسرائیل، آیت:۹۳)	کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا

یہ جواب حضور ﷺ نے خدا کے حکم سے کافروں کو دیا اور اپنے ''بشر اور رسول ہونے کا اقرار کیا۔ ایک اور آیت ہے جس میں کفار کے انکار پر یہ کہہ کر کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔ تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے بحکم اللہ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَیَّ	تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تم ہی
(حٰمٓ السجدہ، آیت:٦)	جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے

ان دو آیتوں میں خود حضور ﷺ نے اپنے بشر ہونے کا اقرار اور اعلان کیا ہے۔

اس کے بعد اخیر میں یہ بات ۔اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے درمیان ان کی ہدایت کے لئے آدمی ہی کو نبی اور رسول بنا کر کیوں بھیجا اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں اس کی حکمت اور اپنی پالیسی بیان کردی ہے۔وہ آیت یہ ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا

(پ:۱۵،بنی اسرائیل:۹۵)

تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی (آسمان سے) فرشتہ اُتارتے

ایک اور آیت ملاحظہ ہو:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النمل:۴۳)

اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں

اس آیت کی تفسیر میں مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی شاگرد اعلیٰ حضرت یہ لکھتے ہیں:

''حدیث شریف میں ہے بیماری جہل کی شفا علماء سے دریافت کرنا ہے لہذا علماء سے دریافت کرو وہ تمہیں بتادیں گے کہ سنت الٰہیہ یوں ہی جاری رہی کہ اس نے مردوں کو نبی بنا کر بھیجا''۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کے اس عقیدہ کو رد کیا گیا ہے کہ بشر (آدمی) نبی نہیں ہوسکتا چنانچہ حضور ﷺ سے یہ اعلان کرادیا کہ ہم نے تم سے پہلے نبی صرف مرد ہی بھیجے۔ ظاہر ہے مرد فرشتوں میں نہیں ہوتا نہ نور ہی میں ۔اب ایک آیت اور بھی:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

(پ:۱۶،کہف:۱۱۰)

تم فرماؤ ظاہر صورت میں بشری میں تو ہیں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے

اب ایمانداری سے غور کیجئے کہ اسی مضمون کی ایک آیت گذری ہے اس میں ترجمہ خانصاحب نے کہ کیا: ''آدمی ہونے میں تو میں تم ہی جیسا ہوں''۔

پہلی آیت کا ترجمہ صحیح ہونے سے قریب ہے یعنی آدمی ہونے میں جیسے تم آدمی ہو ویسے میں بھی آدمی ہوں لیکن دوسری آیت کا ترجمہ ایسا ہے کہ وہ تحریف تک لے جاتا ہے۔ یعنی قرآن تو کہتا ہے کہ میں بشر ہوں۔ ترجمہ کہتا ہے کہ ظاہری صورت بشری میں تم جیسا ہوں یعنی حقیقت میں نہیں ہوں اب ذرا ترجمہ دیکھئے حضرت شاہ عبدالقادر (بن شاہ ولی اللہ) اس آیت کا ترجمہ کیا کرتے ہیں:

اِلَیَّ	یُوحیٰ	مِّثْلُکُمْ	بَشَرٌ	اَنَا	اِنَّمَا	قُلْ	شاہ
مجھ کو	حکم آتا ہے	جیسے تم	ایک آدمی ہوں	میں بھی		تو کہہ	عبدالقادر
میری جانب	(ہاں) وحی کی جاتی ہے	تم جیسا ہی	ایک انسان ہوں	میں تو	کہ	آپ کہہ دیجئے	محمد جونا گڑھی

پہلے ترجمہ میں انما کا ترجمہ خالی ہے۔

اب ہم الفاظ کی پابندی کے ساتھ ہر لفظ کا ترجمہ اس کے نیچے ۲ بہت بڑے عالموں کا پیش کرتے ہیں پہلے حضرت شاہ رفیع الدین (بن حضرت شاہ ولی اللہ) کا ہے اردو اور حضرت شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ:

اِلَیَّ	یُوحیٰ	مِّثْلُکُمْ	بَشَرٌ	اَنَا	اِنَّمَا	قُلْ	شاہ رفیع الدین
میری طرف	وحی کی جاتی ہے	مانند تمہارے	آدمی ہوں	کہ میں	سوائے اس کے نہیں	کہہ	
بسوئے من	وحی فرستادہ می شود	مانند شما	آدمی ام	کہ من	جز ایں نیست	بگو	شاہ ولی اللہ

ان ترجموں میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر کا ہے جو بامحاورہ ہے اس میں ''انما'' کا ترجمہ نظرانداز کر کے آیت کے مطلب کو بتادیا گیا؛ دوسرا محمد جونا گڑھی کا ہے اس میں ''انما'' کی جگہ صرف ''کہ'' لکھا ہے مطلب میں کوئی تبدیلی نہیں۔

تیسرا ترجمہ: شاہ رفیع الدین کا ہے جو تحت اللفظ ہے یعنی ہر لفظ کا ترجمہ لفظ کے نیچے کیا ہے چوتھا ترجمہ شاہ ولی اللہ کا ہے یہ بھی بالکل تحت اللفظ ہے اور ''انما'' کا ترجمہ دونوں نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔ آخری دونوں ترجموں میں ''سوائے اس کے نہیں''۔ ''جزایں نیست'' قرآن کے مقصد کو زیادہ زوردار طور پر بتایا گیا ہے یعنی قرآن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سوائے اس کے دوسری بات کچھ نہیں کہ میں بشر ہوں اس سے حضور ﷺ کا بشر ہونا زوردار طریقہ پر ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اسی تحت اللفظ کے طریقہ سے خانصاحب کے ترجمے کو دیکھتے ہیں:

قل	انما	انا	بشر	مثلکم	یوحیٰ	الیَّ
تم فرماؤ		میں		تم جیسا ہوں	وحی آتی ہے	مجھے

قرآن حکیم سے باہر ترجمہ: (ظاہر صورت بشری میں)

ناقص ترجمہ کر کے اور اپنی طرف سے قرآنی الفاظ سے باہر ترجمہ کر کے خانصاحب نے قرآن حکیم کے مطلب کو بدل دیا اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ ظاہری طور پر بشری صورت میں تھے مگر دراصل بشر نہیں تھے کیا یہ قرآن کی آیت کا الٹا مطلب نہیں ہے اسی کو تحریف کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ اسلام کے بہت بڑے فلاسفر تھے اور حکمت دین پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی میں کیا پھر ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ ترجمہ کیا پھر ان کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے تحت اللفظ ترجمہ کیا۔ ان ترجموں میں ہر لفظ کا بالکل صحیح اور درست ترجمہ کیا گیا ہے نہ بڑھایا نہ گھٹایا میں نے

نقشہ اس لئے بنا دیا کہ جو لوگ عربی کے ماہر نہیں ہیں وہ بھی ایک ایک لفظ کے معنی الگ الگ دیکھ لیں اور سمجھ لیں اور ان پر ظاہر ہو جائے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے کیا زیادتی کی ہے۔

مزید یہ کہ قرآن حکیم کی آیتوں سے یہ دکھا کر کفار نے انبیاء کو بشر کہا اور یہ لکھا کہ انبیاء کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے جن میں پہلی آیت میں خود خدا نے آدم علیہ السلام کو بشر کہا اور ابلیس نے بھی بشر کہا اور بعد کی آیتوں سے یہ ثابت ہوا کہ خود رسولوں نے اپنے بشر ہونے کا اقرار کیا اور چند آیتوں میں رسول ﷺ نے اپنے بشر ہونے کا اقرار کیا یہ کیا دیدہ دلیری ہے کہ ان سب کو کفار کے گروہ میں شمار کر دیا ساتھ ہی یہ بھی ملاحظہ ہو کہ خدائے عزوجل نے قرآن میں دو جگہ فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ	بیشک احسان کیا اللہ کے مومنوں پر جبکہ
بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ	بھیجا ان میں ایک رسول ان ہی میں سے

اس آیت میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان بتاتے ہوئے یہ فرمایا کہ رسول، مومنین میں ان ہی میں سے بھیجا یعنی مومنین ہی کے اندر سے سارے انسان مومنین میں ان ہی میں سے بھیجنے کا مطلب ظاہر ہے کہ جس جنس اور نوع سے یہ آدمی مومنین ہیں ان ہی کی جنس اور نوع سے رسول کو بھیجا نہ کہ دوسری مخلوق ہے۔

ابھی جو میں نے ایک آیت پیش کی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں فرشتے بستے اور چلتے پھرتے تو ہم ان کے پاس رسول بھی آسمان سے فرشتہ اُتارا ہے۔

اس آیت پر تفسیر خانصاحب کے شاگرد نے لکھی ہے وہ یہ ہے:

''۱۹۹ وہی (ملائکہ) اس (زمین) میں بستے کیونکہ وہ ان کی جنس سے ہوتا۔ لیکن جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو ان (کافروں) کا ملائکہ میں سے رسول طلب کرنا نہایت ہی بے جا بات ہے''۔

ان کی اس تفسیر پر میں یہ کہتا ہوں کہ جب زمین میں (بشر) آدمی بستے ہیں اور خدا نے اسی لئے بشر کو نبی بنا کر بھیجا جو ان کی جنس سے ہے تو یہ پھر اس نبی کو بشر نہ ماننا کیا بے جا بات

نہیں ہے۔

حضور ﷺ کو بشر سے خارج کر کے (اور ان تمام آیتوں کا انکار کر کے جن میں رسولوں کے بشر ہونے اور خود حضور ﷺ کے بشر ہونے کا اقرار ہے) نور ثابت کرنے کے لئے ایک آیت پیش کی ہے وہ یہ ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ (پ:۹،مائدہ:۱۵)	بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب (ترجمہ مولانا احمد رضا خانصاحب)

اس کے بعد حاشیہ پر لکھا ہے ''سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور وہ حق واضح ہوئی''۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ترجمہ یہ ہے:

یہ ترجمہ اگرچہ شیخ الہند نے مرتب کیا لیکن بنیادی ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر کا ہے شیخ الہند نے صرف اس میں یہ تبدیلی کی کہ زمانہ گذرنے سے بہت سے الفاظ کا چلن ختم ہو چکا تھا ان کی جگہ موجودہ چالو الفاظ لکھے اور ترجمہ شاہ عبدالقادر کو سلیس بنادیا ہے۔ ترجمہ کے بعد انہوں نے تفسیر لکھنی شروع کی لیکن ساڑھے ۴ پارے تک ہی کی تفسیر کر پائے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا بعد کو ان کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی نے یہ تفسیر پوری کی شاگردوں میں ان کو تفسیر اور علم کلام میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے اس آیت پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

''شاید نور سے خود نبی کریم ﷺ اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے''

انہوں نے ''شاید'' کا لفظ استعمال کیا ہے مگر چلئے اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ دیوبند والے بھی رسول اللہ کو نور مانتے ہیں اور یہ شکایت دور ہو گئی کہ دیوبند والے حضور ﷺ کو نور نہیں مانتے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی نے اس آیت کا کیا ترجمہ کیا ہے۔

قَـدْجَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰـهِ نُوْرٌ — ہر آئینہ آمد بہ شما از جانب خدا

وَّ كِتٰـبٌ مُّبِيْـن — نور سے و کتاب روشن یعنی قرآن

بیشک آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے

ایک نور اور ایک روشن کتاب یعنی قرآن

حضرت شاہ ولی اللہ نے نور اور کتاب دونوں سے قرآن مراد لیا ہے۔

اب ایک اور ترجمہ درج کیا جا رہا ہے جس سے یہ گرہ کھلتی نظر آ رہی ہے مولانا محمد جوناگڑھی کا ترجمہ مع حاشیہ لکھ رہا ہوں:

قَدْجَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے جس کے ذریعہ اللہ ہدایت دیتا ہے۔

حاشیہ: ''نور'' اور کتاب ''مبین'' دونوں سے مراد قرآن کریم ہے ان کے درمیان ''واؤ'' مغائرتِ مصداق نہیں مغائرتِ معنی کے لئے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے جس کی واضح دلیل قرآن کریم کی اگلی آیت ہے یھدی بہ اللّٰہُ' کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے' اگر نور اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو الفاظ ''يَهْدِىْ بِهِمَا اللّٰه'' ہوتے ''یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعہ ہدایت فرماتا ہے'' قرآن کریم کی اس نص سے واضح ہوگیا کہ نور اور کتاب سے مراد ایک ہی چیز یعنی قرآن کریم ہے یہ نہیں ہے کہ نور سے آنحضرت ﷺ اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔

وہ لوگ جو عربی زبان کے قواعد سے واقف نہیں ان کے لئے بتادینا ضروری ہے کہ عربی قواعد میں ضمیر واحد (ایک کے لئے) ''ہ'' آیا ہے ''بہ'' معنی ''اس ایک کے ذریعہ نور اور کتاب سے ایک ہی چیز مراد ہے اس لئے ''بہ'' کہا گیا اور اگر نور سے مراد حضور ﷺ اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہو تو یہ دو چیزیں ہوگئیں اگر یہاں دو چیزیں مانی جائیں تو ''بہ'' کہنا عربی قواعد سے غلط ہوگا بلکہ ''بِهِمَا'' (یعنی ان دونوں کے ذریعہ) ہوتا۔

اب میں دوبارہ اس آیت پر جو تفسیری حاشیہ پر مولانا نعیم مرآبادی کا ہے اس میں لکھا ہے ''سید عالم ﷺ کو ''نور'' فرمایا گیا کیونکہ آپ ﷺ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راحق واضح ہوئی''۔

یعنی نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے کفر کی تاریکی دور ہوئی اور حق کا راستہ صاف نظر آیا یہ مطلب نہیں کہ آپ نوری مخلوق ہیں اور بشر نہیں ہیں اور اس معنی میں حضور کے نور ہونے کا کسی کو انکار نہیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

وہ لوگ جو حضور ﷺ کو بشر نہیں مانتے اور نوری مخلوق بتاتے ہیں انہوں نے ایک من گڑھت عقیدہ بنا رکھا ہے کہ حضور ﷺ ''نُورٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰہ ''نور ہیں خدا کے نور سے اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ — سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ میرا نور ہے

اس حدیث سے اپنا مقصد ثابت کرنے کے لئے زور لگاتے ہیں لیکن یہ مقصد ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ (۱) یہ حدیث کسی بھی حدیث کی مستند کتاب میں نہیں ہے اس کو دلیل بنانا درست نہیں (۲) اور اس لئے بھی کہ اس حدیث سے ایک اور حدیث کا ٹکراؤ ہے جو صحیح حدیث ہے وہ یہ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَم — بیشک سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ قلم ہے

ترمذی شریف، ابوداؤد شریف یہ دونوں کتابیں حدیث کی چھ صحیح کتابوں میں سے ہیں ظاہر ہے اس صحیح روایت کے مقابلہ میں نور والی روایت قبول نہیں کی جاسکتی کیونکہ دونوں کو ملایا نہیں جاسکتا اس لئے کہ ''اَوَّل'' کے معنی سب سے پہلے کے ہیں اور جب صحیح حدیث سے قلم کا سب سے پہلے پیدا کیا جانا ثابت ہوگیا تو پھر دوسری چیز کا سب سے پہلا ہونا باطل ہے اس حدیث (قلم) کی تائید میں بڑے محدث البانی لکھتے ہیں:

فَالْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ بلا رَيْبٍ	پس حدیث صحیح ہے بیشک اور وہ ظاہر
وَهُوَ مِنَ الْاَدِلَّةِ الظَّاهِرَةِ عَلٰى	دلیلوں میں ہے مشہور (عوام میں)
بُطْلَانِ الْحَدِيْثِ الْمَشْهُوْرِ اَوَّلَ	حدیث کے باطل ہونے پر کہ جابر، اللہ
مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ	نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا
(تعلیقات المشکوٰۃ، جلد:۱، ص:۳۴)	کیا

(۴) اورسب سے بڑی بات یہ کہ وہ نوروالی حدیث صحیح مان بھی لی جائے تب بھی اس سے حضور ﷺ کا نوری مخلوق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کسی بات کو سمجھنے کے لئے عقل سے کام لینا ضروری ہوتا ہے قرآن میں خود بار بار غور وفکر کرنے خاص کر قرآن میں غور وفکر کرنے کی تاکید ہے۔ یہاں ایک اہم عقلی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا'' یعنی میرا نور کہہ کر حضور ﷺ نے نور کی نسبت اپنی طرف کی ہے قواعد کے لحاظ سے ''نور'' (مضاف (جس کی نسبت کسی کی طرف کی جائے) اور خود حضور ﷺ مضاف الیہ (جس کی طرف نسبت کی گئی) ہوئے)۔ مضاف، مضاف الیہ میں غیریت ضروری ہے ورنہ مضاف کرنا باطل ہوگا کیونکہ یہ چیز صاف اور واضح ہے۔ آپ کہتے ہیں میری کتاب اس میں کتاب مضاف اور آپ مضاف الیہ ہوئے دونوں ایک دوسرے کے غیر ہیں یعنی آپ خود کتاب نہیں ہوگئے اسی طرح میری گھڑی کہنے سے آپ گھڑی نہیں ہوگئے۔ اب اگر حضور ﷺ نے میرا نور فرمایا تو حضور ﷺ اور نور دونوں ایک نہیں ہوگئے ورنہ میرا کہنا باطل ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ خود نور نہیں ہیں بلکہ نور ایک جگہ چیز ہے جس سے حضور ﷺ کا تعلق ہے۔

آپ اعتراض کر سکتے ہیں یہ تو آپ خارجی چیز کی مثال دے کر غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں۔

اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ چلئے میں اور مثالیں دیتا ہوں جو آپ ہی کے وجود

سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ کہتے ہیں میرے پاؤں میں درد ہے۔ پاؤں مضاف ہوا اور آپ مضاف الیہ۔ یہاں بھی مضاف مضاف الیہ میں غیریت ہے یعنی ایک طرف آپ کا پورا وجود ہے اور ایک طرف صرف پاؤں ہے اس میں غیرت پائی گئی اگر آپ کہیں کہ میرا سر سے پاؤں تک تکان سے چور چور ہو گیا اب تو آپ کہیں گے اس میں غیریت کہاں ہوئی؟ میں کہوں گا کہ میرا کہنے والا کون ہے؟ کیا یہ بدن ہے؟ جی نہیں یہ آپ کی روح ہے جو آپ کے بدن سے نکل جائے گی تب تو غیریت سمجھ میں آئے گی۔ اسی طرح زید مر جائے لوگ کہیں گے زید کی جان چلی گئی یہاں جان مضاف ہے زید کی طرف یہاں بھی غیر ہونا پایا جاتا ہے وہ اس طرح کہ زید مجموعہ ہے جان اور پورے بدن کا اور جان اس کا اس کا ایک حصہ ہے اس لئے زید پورے جسم و جان سمیت اور اس کے ایک حصہ صرف، جان میں غیریت پائی گئی اس لئے اگر وہ حدیث نور والی صحیح بھی مان لی جائے تو بھی رسول اللہ ﷺ نوری مخلوق قرار نہیں پا سکتے۔

یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ کسی چیز کی پہچان اس کی صورت، صفتوں اور خاصیتوں کے ذریعہ ہوتی ہے جیسے نمک ہے۔ صورت میں تو یہ چینی اور یوریا کے مشابہہ ہے لیکن نمک منہ میں میں ڈالیں اور وہ نمکین نہ ہو تو کوئی بھی اس کو نمک نہ مانے گا چینی بھی صورت میں نمک اور یوریا کے مشابہہ ہے مگر منہ میں ڈالیں اگر اس میں مٹھاس نہ ہو تو اس کو چینی کوئی نہیں مانے گا اسی طرح نور روشنی ہے اگر نور کہیں موجود ہو اور روشنی اس سے نہ پھیلے تو لوگ اس کو نور نہیں مانیں گے۔ کسی حدیث یا تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ حضور ﷺ اندھیری رات میں کہیں تشریف لے جاتے تو چاروں طرف دن ہو جاتا تاریکی ختم ہو جاتی ہر چیز صاف صاف نظر آتی تھی اس لئے حضور ﷺ کو نوری مخلوق قرار دینا ”آدمی (بشر) سے خارج قرار دینا ہٹ دھری ہے۔

میرے سامنے وہ حدیث بھی ہے کہ حضور ﷺ کے چہرہ کے سامنے تاریکی میں سوئی لے جا کر اس میں تاگہ پیرو لیا جاتا تھا۔ روشنی تو جگنو میں بھی ہوتی ہے لیکن وہ نوری مخلوق نہیں ہے۔ یہ بات بھی کہ حضور کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ صاف شفاف شیشہ کا بھی سایہ نہیں ہوتا مگر وہ

نوری مخلوق نہیں۔ حضور ﷺ جیسے فوق البشر (Super Man) کے لئے یہ باتیں معمولی ہیں۔ حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ نے جہاں حضور ﷺ کو سید البشر، خیر البشر لکھا ہے وہیں اپنے خطبات میں نور، نورعلی نور عین نور لکھا ہے۔ حضور ﷺ کی نیابت میں علماء ہدایت کا نور پھیلاتے ہیں ان سے بڑھ کر تمام نبیوں کا نور ہے اور سب سے بڑھ کر سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کا نور ہے اس لئے نورعلیٰ نور بالکل درست ہے اور عین نور کہنا ایسا ہی ہے کہ کسی بہت بڑے عادل (انصاف ور) کو عَدْل (انصاف) کہنا علم بلاغت اور قواعد کے لحاظ سے درست ہے۔ حضور ﷺ کی نورانیت اس قدر غیر محدود ہے کہ ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اس لئے ان کو نور کہہ کر صبر کر لیتے ہیں۔

اب رہ جاتی ہے بات کہ حضور کو ''نور من نور اللّٰہ'' کہا جاتا ہے۔ اب اس کے مطلب پر بھی غور کر لیتے ہیں۔ اللہ نے خود کو ''نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) اب اگر ہم یہ کہیں کہ حضور ﷺ بھی خدا ہی کی طرح نور السمٰوٰت والارض ہیں یہ کھلا شرک ہوگا اس لئے کوئی مومن ایسا کہہ نہیں سکتا تو اب غور کرتے ہیں کہ ''من نور اللّٰہ'' کے کیا معنی ہیں: ظاہر ہے اللہ کے نور میں سے کا مطلب ہے اللہ کے نور کا بعض حصہ کیوں کہ ''مِنْ'' ،بعض کے لئے آتا ہے تو کیا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے نور کے بعض حصہ کو کاٹ کر حضور ﷺ کا وجود بنایا گیا تب تو یہ عیسائیوں کے عقیدہ خدا کا بیٹا سے بڑھ کر یہ شرک ہو گیا یعنی یہ کہ حضور ﷺ خدا کے نور کا جو سراسر غیر مخلوق ہے ایک حصہ ہو گئے یعنی حضور ﷺ بھی غیر مخلوق ہوئے اور ذات خداوندی کا ایک حصہ ہو گئے یہ بھی شرک ہے۔ پھر آخر کیا مطلب لیا جائے گا۔ اب اس مشہور قول کی طرف لوٹتے ہیں وہ ہے:

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ — سب سے پہلے اللہ نے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہے

یعنی حضور ﷺ کا نور نہ تو کل خدا کا نور ہے نہ اس نور خدا غیر مخلوق کا حصہ بلکہ یہ نور مخلوق ہے یعنی اس کو خدا نے پیدا کیا ایسی صورت میں مِنْ نُورِ اللّٰہ (اللہ کے نور سے بعض حصہ) کہنا

بے معنی ہو جائے گا۔

ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کا بنایا ہوا نور مراد ہے تو پھر نور کہہ دینا کافی ہوگا کیوں کہ ہر چیز تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے پھر من نور اللہ کہہ کر یہ مغالطہ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے کہ لوگ اس وہم میں مبتلا ہو جائیں کہ ذات خداوندی کے نور کا حضور ﷺ ایک ٹکڑا ہیں۔ بحث کو اور بھی طویل کیا جا سکتا ہے۔ مگر وقت ضائع ہوگا اور پھر دوبارہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا حاشیہ بہ ترجمہ احمد رضا خانصاحب کو نقل کر کے بحث کو ختم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ:

''سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نوری مخلوق نہیں ہیں اور یہ بالکل درست ہے اس سے کسی کو انکار نہیں۔

ایسے اختلافی مسائل جن میں بریلویوں سے اختلاف ہے:

اب ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن میں حضرت لطیفیؒ کا بریلویوں سے اختلاف ہے:

(۱) علماء اور مشائخ کا ہاتھ چومنا:

''رقعات لطیفہ'' ایک چھوٹی سی کتاب حضرت لطیفیؒ کی ہے جو انہوں نے اپنے سب سے بڑے صاحبزادے سید امام مظفر کی تعلیم کے لئے خطوں کی صورت میں لکھی ہے سوال و جواب کی صورت میں۔ سوال یہ ہے کہ: علماء صلحاء فقرا و مشائخین و اُمرائے زماں اور عام مسلمانوں کا ہاتھ چومنا کیسا ہے یہ سب فارسی زبان میں ہے اس کی جواب میں حضرت لطیفیؒ نے پانچ مسلک درج کئے ہیں۔

(۱) کراہیت تقبیل عام (یعنی کسی کا بھی ہاتھ چومنا مکروہ ہے) یہ مسلک حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔

(۲) جواز مطلق تقبیل: ہاتھ چومنے کی اجازت جبکہ برکت حاصل کرنا مقصود ہو، عالم، صوفی یا عادل بادشاہ کا ہاتھ چومنا۔

(۳) رخصت تقبیل: ہاتھ چومنے کی اجازت جبکہ برکت حاصل کرنا مقصود ہو، عالم، صوفی یا

عادل بادشاہ کا ہاتھ چومنا۔

(۴) کراہیت تقبیل: اس صورت میں کہ برکت حاصل کرنا مقصود نہ ہو بلکہ دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے بطور خوشامد ہاتھ چومے۔

(۵) عدم کراہیت تقبیل عموماً نسبت مطلق اہل اسلام از خواص و عام۔

یعنی عام مسلمان ایک دوسرے کا ہاتھ چومیں جبکہ نیت مرد مسلم کی تعظیم مقصود ہو۔

ان مسلکوں کو لکھنے کے بعد حضرت لطیفیؒ نے اپنی رائے ان الفاظ میں لکھی ہے۔

پس از تمہید ایں سخناں نیک بدانید	بس ان باتوں کی تمہید کے بعد خوب جان لو
و بہر چہ توانید طریق اسلم رامگذارید	اور جس طرح بھی سکو سیدھی راہ کو نہ چھوڑو
و بہر روش صراط مستقیم احتیاط را نیک نگاہ دارید	اور ہر روش میں احتیاط کی سیدھی راہ کو نظر میں رکھو
آرے اندریں مسئلہ مقتضائے احتیاط ہمیں بود کہ	ہاں اس مسئلہ میں احتیاط کا تقاضا یہی ہوگا کہ
عموماً از تحتِ تقبیل حذر کردہ شود	عام طور پر ہاتھ چومنے کی تحیت سے پرہیز کیا جائے
چہ کہ معلوم دانشمنداں ست ہرگاہ	اس لئے کہ عقلمندوں کو معلوم ہے کہ جہاں کہیں
بعملیکہ بہ نسبت کردن و نا کردنش	کسی عمل کے کرنے اور نہ کرنے کے متعلق
اختلاف علماء عیاں گشت پس بے گماں	علماء کا اختلاف ظاہر ہو جائے پس بے شک
در نا کردنش از خوف و خطر امان است	اس کام کے نہ کرنے میں خوف و خطر سے حفاظت ہے
ہاں ہاں تعظیم و اکرام بزرگاں	ہاں ہاں بزرگوں کی تعظیم اور ان کا اکرام
بل تکریم جملہ مسلمانان بعنوانیکہ	بلکہ اکرام تمام مسلمانوں کا اس طریقہ سے کہ
ہیچ وجہ برخلاف طریق شریعت	کوئی طریعہ شریعت کے طریقہ کے خلاف
برنیاید از تن و جاں بباید	ظاہر نہ ہو جسم و جاں سے کرنا چاہیئے

غرض حضرت لطیفیؒ نے اخیر میں اپنا فیصلہ یہی دیا کہ چونکہ اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ظاہر ہوگیا ہے اس لئے اس کو نہ کرنا چاہیئے علماء ومشائخ کی عزت دل وجان سے کرنی چاہیئے مگر ایسے طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیئے جن پر شریعت کی طرف سے اعتراض ہو۔

اسی ضمن میں مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ نے ایک اہم اصول بھی بتادیا کہ جس کام کے کرنے نہ کرنے میں علماء کا اختلاف ظاہر ہو جائے اس کے نہ کرنے ہی میں خوف وخطر سے امان ہے یہ اصول بہت سے مقامات میں کام آسکتے ہیں۔

جب ہاتھ چومنے کو حضرت لطیفیؒ منع کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ قدم چومنے کے متعلق اور زیادہ سختی سے منع کریں گے۔

غرض یہ مسئلہ علمائے بریلوی کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ علماء ومشائخ کا ہاتھ چومنے کی تلقین کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا اختلافی مسئلہ: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ جس کے بریلوی حضرات قائل ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ رقعات لطیفہ میں مصافحہ کے متعلق سوال کرنے پر حضرت لطیفیؒ نے یہ لکھا:

اما زمانِ مصافحہ زمانے بود کہ	لیکن زمانہ مصافحہ کا ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ
اندراں زماں دو کس از مسلماناں	جس زمانے میں دو شخص مسلمانوں میں سے
باہم و اخورند خواہ ہر دو از	باہم ملاقات کرتے ہیں خواہ دونوں
شہرتا شاں باشند و یکے از نیاں	ایک ہی شہر (یا گاؤں) کے ہوں اور ایک ان میں سے
از سفر رسیدہ باشد	سفر سے واپس آیا ہو
ویا ہر دو از حاضران شہر بوند	یا دونوں شہر کے حاضرین میں سے ہوں
و پس مرور روزے چند	اور چند دن گذرنے پر
باہم چشم چار شوند	ایک دوسرے سے ملے ہوں

وخواہ شہر و وطن یکے غیر شہر و وطن	یا چاہے ایک کا شہراور وطن دوسرے کے
دیگرے بود	شہروطن کا غیر ہو
و یکے بزیارت دیگرے برود	اور ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جائے
بالجملہ اندریں صورتہا ہنگام واخوردن	حاصل کلام ان صورتوں میں وقت ملاقات
پس لمز سلام گفتن بہ تحیت مصافحہ	سلام کہنے کے بعد مصافحہ کی تحیت میں
بہ پردازند	مشغول ہوتے ہیں
ہاں باہم آمیختگاں کسانیکہ	ہاں آپس میں مل جل کر رہنے والوں کے ساتھ جولوگ
بعد از نماز بامداد و پس از نماز دیگر	بعد نماز فجر یا دوسری نماز کے بعد
بمصافعہ بایکدیگر خوگیر بودہ اند	ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کے عادی ہوگئے ہیں
ہاناں بکارے نہ از دلیل بل از سواء السبیل	یہ لوگ نہ دلیل کے کسی کام سے بلکہ راہ راست سے
رونمودہ اند۔	بھٹکے (یا پھرے ہوئے) ہیں
آرے چنیں عادت خالی از بدعت نبود	ہاں ایسی عادت بدعت سے خالی نہ ہوگی
بل اہل سنت را باید کہ از چنیں	بلکہ اہل سنت کو چاہیئے کہ اس طرح کے کام سے
کردار محترز شود	پرہیز کرنے والا ہو

خلاصہ یہ کہ حضرت لطیفیؒ سے مصافحہ کی فضیلت یا سنت ہونے کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا اس لئے انہوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اس لئے کہ یہ باتیں سب کو معلوم ہیں۔ جس سلسلہ میں سوال تھا اس کا جواب انہوں نے دیا اسی خط میں ایک مسئلہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا مسئلہ ہے تو حضرت لطیفیؒ نے حنفیوں کے مسلک کے مطابق جواب دیا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہیئے۔ میں نے مصافحہ کے موقع اور زمانہ کی بحث کو اس لئے نقل کیا کہ اس میں اختلاف ہے مولانا کی باتوں کا حاصل یہ ہے کہ مصافحہ کا زمانہ ہے کہ دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں دونوں ایک ہی شہر (یا گاؤں) کے رہنے والے ہوں ایک

سے سفر سے واپس آیا ہو یا دونوں ایک ہی شہر کے رہنے والے ہوں اور چند دن گذرنے پر آپس میں ملاقات کر رہے ہوں یا الگ الگ شہر (یا گاؤں) کے ہوں اور ایک شخص دوسرے سے ملاقات کو جائے تو سلام کے بعد مصافحہ کرتے ہوں۔

لیکن ایک ساتھ رہنے والے لوگ جو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے کی رسم بنا کر عادی ہو گئے ہیں۔ مولانا اس رسم کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے بعض تہی مغز متعصب حضرات مولانا کی بات پڑھ کر شور مچا دیں گے کہ یہ تو مصافحہ کو بدعت قرار دیتے ہیں جبکہ مصافحہ سنت ہے اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ لیکن ذرا ہوش کے ناخن لیجئے اور ٹھنڈے دل دماغ سے سوچئے کہ حضرت لطیفیؔ مصافحہ کو بدعت نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ مصافحہ کے موقعوں کو بیان کر رہے ہیں کہ اس کے لئے زمانہ، وقت اور موقع کیا ہے۔ مصافحہ کا وقت جیسا کہ اوپر بتایا گیا ملاقات کے وقت سلام کے بعد فوراً ہے یہ کسی گھڑی گھنٹہ یا کسی کام یا کسی نماز کے بعد کے وقت کے ساتھ بندھا ہوا نہیں ہے۔

حضرت لطیفیؔ فرماتے ہیں کہ اس کو کسی نماز مثلاً فجر و عصر کی نماز کے بعد کے ساتھ مقرر کر دینا بدعت ہے، ہوتا یہ ہے کہ فجر کے وقت نماز کو لوگ نکلے آمنا سامنا ہوا سلام کیا مگر مصافحہ نہیں۔ اب جب نماز ختم ہوئی تو مصافحہ کرنے لگے جیسے شریعت نے مصافحہ کے لئے یہی وقت مقرر کر دیا ہو حضرت لطیفیؔ اسی کو بدعت قرار دیتے ہیں نہ کہ مصافحہ کو۔

(۳) جمعہ میں اذان ثانی میں بریلی علماء سے اختلاف:

حضرت لطیفیؔ نے اپنی کتاب میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا لیکن ان کی مسجد میں ان کے وقت سے ان کے صاحبزادے حضرت شاہ مخدوم شرف الہدیٰ و حضرت خواجہ حمید اصغر رحمہا اللہ کے وقت تک یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی تھی اور جمعہ کی امامت کبھی مخدوم صاحب کبھی خواجہ صاحب کرتے تھے تو برابر دیکھا گیا کہ یا تو ممبر کے سامنے جو مسجد کا دروازہ ہے جو دو ہی صفوں کے بعد ہے وہاں اور کبھی اگلی صف میں امام کے سامنے ممبر کے قریب اس سے معلوم ہوا کہ یہ

طریقہ حضرت لطیفیؔ کے وقت ہی سے جاری رہا تھا۔اور یہی طریقہ میتن گھاٹ، بارگاہ عشق، درگاہ شاہ ارزاں، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، درگاہ حضرت نظام الدینؒ، دہلی، حضرت قطب صاحب دہلی، حضرت خواجہ اجمیری کی مسجدوں میں جاری ہے اس سلسلہ میں میں نے ایک طویل فتویٰ لکھا ہے فقہ کی کتابوں اور حدیث کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ اذان ممبر کے پاس۔ امام کے سامنے ہونی چاہیئے۔

(۴) **بعد دفن قبر پر اذان:** یہ بھی نو ایجاد مسئلہ ہے جس کو رواج دینے والے بریلوی علماء ہیں مولانا لطیفیؔ نے نہ کہیں قبر پر اذان دلوائی نہ ان کی خانقاہ میں دفن کے بعد کسی کی قبر پر اذان دی گئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت لطیفیؔ کا یہ دستور نہیں تھا نہ کہیں انہوں نے اس کے متعلق کچھ لکھا ہے۔غرض یہ بھی علمائے بریلی کے مسلک کے خلاف اور علمائے دیوبند اور تمام حنفیوں کے موافق ہے۔

(۵) صدقۂ فطر (فطرہ) کی مقدار میں دونوں (دیوبندی بریلوی) سے اختلاف خطبات حضرت لطیفیؔ میں رمضان کے پانچویں خطبہ میں صاع کا وزن درج کیا گیا ہے الفاظ یہ ہیں:

الصاع ثمانية ارطال والرطل عشرون استار والاستار اربعة مثاقيل: یعنی ایک صاع ۸ رطل،ایک رطل برابر ۲۰-استار اور ایک استار برابر ۴ مثقال۔ یہ تمام وزن عرب کے ہیں ہمارے یہاں جو وزن چالو ہے اس کے مطابق:

۱ مثقال برابر ½۴ ماشہ، ۱ استار برابر ۱۸ ماشہ یعنی ½۱ تولہ

۱ رطل برابر ۳۰ تولہ ۸ رطل برابر ۲۴۰ تولے یعنی ایک صاع تو اس کا آدھا ۱۲۰ تولے اسّی کے وزن سے ڈیڑھ سیر۔

علمائے دیوبند کا فتویٰ اَسّی کے وزن سے پونے دو سیر کا ہے غرض مقدار فطرہ میں

مولانا کی اپنی تحقیق یہی ہے میں نے اپنے پھوپھا حضرت مولانا وصی الدین صاحب سیتلپوری سے اس سلسلہ میں بات کی تو انہوں نے بتایا کہ حضرت لطیفیؒ کے وقت سے ہم لوگ آس پاس کے گاؤں والے اور رحمٰن پور والے بھی عام فتویٰ کے مطابق پونے دو سیر دیتے رہے حضرت لطیفیؒ کے انتقال کے بعد جب گیہوں کی قیمت ایک آنہ سیر یعنی ۴ پیسے میں ایک سیر تھی تو لوگ پونے دو آنے کی بجائے ۲ آنے ہی دینے لگے۔ اس طرح دو سیر دینے کا رواج یہاں ہو گیا۔

جبکہ علمائے بریلی کے نزدیک اسی کے وزن سے دو سیر سے بھی زیادہ ہے

اختلاف کی وجہ یہ کہ صاع دراصل تولنے ترازو کے وزن کرنے کی چیز نہیں بلکہ برتن ہے۔ قرآن حکیم میں سورۂ یوسف میں اس کا ذکر ہے۔

بادشاہ کا صاع ہم سے کھو گیا ہے۔

یعنی حضور ﷺ کے زمانہ سے بہت پہلے سے برتن سے غلہ کے لین دین کا رواج تھا اور ظاہر ہے کہ الگ الگ علاقہ کے برتن الگ الگ ہوتے تھے۔ ہمارے ضلع پورنیہ (سابق) میں الگ الگ علاقہ میں الگ الگ وزن کا برتن ہوتا تھا کہیں ۲۰ سیر کا کہیں ۱۶ سیر کا تو کہیں دس سیر کا۔ کہنے کا مطلب یہ کہ فطرہ کے مقدار میں مولانا لطیفیؒ نظریاتی طور پر دیوبند بریلی دونوں کے خلاف ہیں مگر عمل کے اعتبار سے علمائے دیوبند کے مطابق پونے دو سیر دیتے تھے۔

(٦) **میلاد میں قیام ضروری نہیں:** میلاد کا مسئلہ بھی تقریباً اختلافی ہے۔ تقریباً اس لئے کہ مولانا اشرف علی تھانوی بھی ایک زمانہ میں میلاد کرتے تھے یعنی سیرۃ پر تقریر کرتے تھے اور قیام بھی کرتے تھے۔ لیکن جب لوگوں نے اس کو ایک رسم بنالیا اور قیام پر اس قدر زور دینے لگے کہ جیسے واجب ہو اور نماز ترک کرنے والے کو اتنا برا نہیں مانتے تھے جتنا کہ قیام ترک کرنے والے کو، تو تھانوی صاحب نے دیکھا کہ یہ رسم میلاد حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ کرنے کے قریب ۵ سو سال بعد سے شروع ہوئی پہلے اس کو مستحب پھر بعض نے سنت اور اخیر میں واجب کا درجہ دیدیا خاص کر ''قیام کو'' تو مولانا تھانوی نے میلاد کرنا چھوڑ دیا کہ اب لوگ اس پر اتنا زور

دینے لگے کہ اس کو ایک عبادت کا درجہ حاصل ہو رہا ہے۔ اور اس لئے بدعت ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ سیرۃ کا بیان یا ولادت کا بیان بدعت ہے بلکہ ایک خاص رسم جس کا رکن قیام شدومد مانا جاتا ہے یہ شکل بدعت ہے جبکہ اس رسم کو ثواب کا سبب مانتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو گمراہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت لطیفیؒ میلاد کرتے تھے یعنی سیرت پر تقریر کرتے اور لوگوں کو دین پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے تھے مگر قیام کو ضروری نہیں جانتے تھے۔ یہ واقعہ مجھ کو ماسٹر معین الدین صاحب مرحوم سے معلوم ہوا منشی مولانا بخش صاحب حضرت لطیفیؒ کے مرید تھے اور اہل حیثیت تھے ان کا مکان مہانندہ ندی کے کنارے تھا برسات میں وہ جگہ کٹ گئی جہاں ان کا گھر تھا دریا بہت قریب آگیا تو دریا سے دور جا کر انہوں نے بود و باش کے لئے گھر بنائے اسی سلسلہ میں حضرت لطیفیؒ کو دعوت ہوئی حضرت تشریف لے گئے اور سیرۃ پر تقریر کی اور قیام نہیں کیا کسی نے باادب عرض کیا حضور قیام نہیں ہوا تو حضرت نے فرمایا کچھ جھڑکنے کے انداز میں کیا قیام ضروری ہے۔ غرض ان کا یہ طرز عمل اور خیال بریلوی علماء کے خلاف ہے۔

(۷) **شب برأت منانا:** عام طور پر شب برأت منانا عوام کے نزدیک حلوا روٹی بنانا بانٹنا اور کھانا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور لوگ دیوالی کی نقل کرتے ہوئے چراغاں کرتے ہیں بہت سے چراغ یا موم بتیاں بہت سی اِدھر اُدھر جلاتے ہیں بالکل دیوالی کی طرح ان رسموں کو بریلوی علماء کی حمایت حاصل ہے۔ جبکہ حضرت لطیفیؒ اپنی کتاب لطائف حفظ السالکین (جو اپنے مریدوں کی ہدایت اور تعلیم کے لئے لکھی ہے اور بدعتوں سے بچانے کے لئے تصنیف کی ہے جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا) میں اس رات کی فضیلت بتاتے ہوئے اس رات (پندرہویں شعبان کی) کو نماز پڑھنے اور ۱۵ شعبان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے اور کسی بات کا حکم نہیں دیا۔

(۸) **نماز میں اقامت کے وقت کب کھڑا ہو؟** اب لوگوں نے اس میں بھی اختلاف پیدا کر دیا ہے حضرت لطیفیؒ کے وقت سے ان کے صاحبزادوں کے زمانے تک بلکہ اس

کے بعد بھی کچھ عرصہ طریقہ یہی رہا کہ جب امام مصلیٰ پر امامت کے لئے اپنی جگہ کھڑے ہو گئے تب موذن امام کے پیچھے اقامت کہتا اور موذن کے ساتھ تمام مقتدی بھی کھڑے ہو جاتے تھے لیکن اب جبکہ گھر کے کچھ لوگ بریلوی مدرسوں سے پڑھ کر آئے تو حضرت لطیفیؒ کے وقت سے رائج طریقہ کو بدل دیا اور یہ صورت رائج کر دی کہ مؤذن تو کھڑا ہو کر اقامت کہتا ہے امام بھی کھڑے رہتے ہیں لیکن باقی مقتدی بیٹھے رہتے ہیں اور جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ یا قد قامت الصلوٰۃ کہتا ہے تب سب مقتدی کھڑی ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں شرح وقایہ کی ایک عبارت سے رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے:

وَیَقُوْمُ الْاِمَامُ وَالْقَوْمُ عِنْدَ حَتّٰی	اور کھڑا ہو امام اور قوم حیّ علی الصلوٰۃ کے
عَلَی الصَّلوٰۃ وَیَشْرَعُ عِنْدَ قَدْ	وقت اور شروع کرے نماز قامت الصلوٰۃ
قَامَتِ الصَّلوٰۃ (ص:۱۰۰)	کے وقت

اس پر حاشیہ ہے ''اور کھڑا ہو امام یعنی اپنی جگہوں سے اپنی صف کی طرف اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوں تو کھڑے رہ کر نماز کا انتظار کرنا ان کے لئے مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائیں اپنی جگہ پھر کھڑے ہوں حی علی الصلوٰۃ کے وقت اور ''یشرع قد قامت '' پر حاشیہ ہے یعنی قد قامت سے ذرا دیر پہلے نماز شروع کرے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک قد قامت کہنے کے بعد شروع کرے پھر اس کے بعد حاشیہ میں یہ لکھا ہے ''اور اختلاف افضل ہونے میں ہے اس کی وجہ یہ کہ یہ خبر دینی ہے نماز کے قیام کی پس مناسب ہے شروع کرنا اس وقت (قدقامت الصلوٰۃ کے وقت) جس کے معنی ہیں نماز کھڑی ہوگئی۔ اب ایک حاشیہ حی علی الصلوٰۃ پر ہے اس کے معنی ہیں آؤ نماز کے لئے۔ اس لئے کہ اس قول میں طلب ہے حاضرین کے لئے پس مناسب ہے کہ اس کا جواب عمل سے دیں اور لوگ آمادہ ہو جائیں نماز کے لئے''۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں اس تمام یعنی متن شرح وقایہ اور حاشیہ سے یہ باتیں معلوم

ہوتی ہیں:

(۱) پہلی بات تو یہ کہ اختلاف افضل ہونے میں ہے جائز ناجائز کی بات نہیں۔

(۲) کھڑا ہو ''حی علی الصلوٰۃ کے وقت'' اس قول کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

(۳) نماز شروع کرے ''قد قامت الخ'' سے ذرا پہلے یا بعد کو اس میں حوالہ اماموں کا ہے۔

(۴) اور بعد کے حاشیہ میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ (الف) حی علی الصلوٰۃ میں بلاوا ہے نماز کے لئے تو مناسب ہے کہ اس کا جواب عمل سے دیں اور کھڑے ہو جائیں (ب) قد قامت الصلوٰۃ میں نماز قائم ہونے کی خبر ہے تو اسی وقت شروع کرنا مناسب ہے۔ یہ سمجھ لیا جائے کہ ''قد قامت الصلوٰۃ'' میں اختلاف نہیں ہے اس جملہ سے پہلے یا درمیان یا بعد کو نماز ہر جگہ شروع ہو جاتی ہے۔

لیکن عملاً اخلاف ہے اقامت شروع کرتے وقت اکثر لوگ کھڑے شروع ہی سے ہو جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور حی علی الصلوٰۃ کہنے پر کھڑے ہوتے ہیں اور اس پر علماء بریلی کا عمل ہے۔

لیکن میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اختلاف دیوبند اور بریلی کا ہرگز نہیں اس لئے کہ میں ۱۹۴۵ء میں جب بھاگلپور، پورینی میں مولانا سہول صاحب سے ملا تو انہوں نے کہا کہ امتثال امر کا مظاہرہ یعنی حکم ماننے کا مظاہرہ اس میں ہوتا ہے کہ بلایا گیا نماز کے لئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ مولانا سہول نہ صرف فاضل دیوبند بلکہ وہاں مفتی اعظم بھی رہ چکے تھے۔ ظاہر ہے یہ اختالف دیوبندی بریلوی کا نہیں ہے۔

اب سنئے میں وہاں سے دیوبند گیا تو وہاں کے شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ ہاں اس میں نکتہ تو ہے کہ بلایا گیا اور کھڑے ہوئے اس سے حکم ماننے کا مظاہرہ ضرور ہوتا ہے مگر یہ کہ جو شخص اسی حکم پر عمل کرنے کے لئے پہلے ہی سے کھڑا ہو گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے تو حکم ماننے کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے اور جب حی علی

الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں گے اور قد قامت پر نماز شروع کرنی ہے۔ حی علی الصلوٰۃ کہتے کہتے تو آدمی کھڑا ہوگا اور ۲ دفعہ حی علی الفلاح کہا جائے گا تو اس میں اتنا وقت کہاں رہتا ہے کہ صفیں سیدھی کی جائیں جبکہ صفیں سیدھی کرنے کی حدیثوں میں بہت تاکید ہے۔

تَصْوِيَةُ الصَّفُوْفِ مِنْ اِقَامَتِ الصَّلوٰة	صفوں کا برابر کرنا اقامت صلوٰہ کا جز ہے

قرآن حکیم میں بار بار ''اقیموا الصلوٰۃ'' کے الفاظ آئے ہیں نماز پڑھنے کا صرف نہیں بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم ہے، یعنی نماز کے لئے اصول وضوابط، وقت کی پابندی نماز و جماعت کا اہتمام اور تمام آداب وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اپنے لوگوں کو نماز کا حکم دینے اور ایک فضا نماز کی پابندی اہتمام کے ساتھ یہ چیزیں سب اقامت میں داخل ہیں۔ ظاہر ہے حی عل الصلوٰۃ سے قدقامت الصلوٰۃ کہنے میں ۵-۶ سکنڈ کا وقت لگتا ہے اتنے کم وقت میں صفوں کو درست کرنا کیسے ممکن ہوگا ایک اور حدیث میں ہے:

فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلوٰة	بیشک صف کا برابر کرنا نماز کی تکمیل ہے

ایک اور حدیث ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ	رسول اللہ ﷺ داخل ہوتے تھے صفوں
وَسَلَّمْ يَتَخَلَّلُ الصَّفُوف مِنْ	کے درمیان ایک کنارے سے دوسرے
نَاحِيَةٍ اِلىٰ نَاحِيَةٍ يَمْسَحُ صُدُوْرَنَا	کنارے تک مسح کرتے ہمارے سینوں
وَمَنَاكِبَنَا (ابوداؤد ونسائی)	اور مونڈھوں کو

ان حدیثوں کو ذہن میں رکھئے اور پھر اس حدیث پر غور کیجئے:

اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلوٰة فَلَا تَقُوْمُوْا	جب نماز قائم کی جائے پس نہ کھڑے ہو
حَتّٰى تَرُوْنِى قَدْ خَرَجْتُ	یہاں تک کہ دیکھ لو کہ میں نکل گیا ہوں
وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ (صحاح ستہ)	اور تم سکون کو لازم پکڑو

ایک صاحب نے میرے پاس ایک سوال بھیجا جس میں یہی مسئلہ پوچھا تھا کہ

کب کھڑے ہوں، وہ صاحب مولوی تھے اور ایک حدیث لکھ کر اپنی رائے ظاہر کی تھی، وہ یہ ہے:

لَا تَقُوْمُوْ حَتّٰی تَرَوْنِی — تم لوگ نہ کھڑے ہو جب تک کہ مجھے نہ

عَنْدَ حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ — دیکھ لو حی علی الصلوٰۃ کے وقت

میں نے یہ ٹکڑا ''عند حی علی الصلوٰۃ'' کی تلاش کی جو نہیں ملی تو میں نے ان سے پوچھا کہ یہ ٹکڑا مجھے نہیں ملا آپ بتائیے کہ کہاں سے نقل کیا ہے مگر جواب نہیں ملا۔ اس لئے میرے خیال میں یہ ٹکڑا بے سند ہے صاحب شرح وقایہ نے اس کا کوئی حولہ نہیں دیا صرف نماز شروع کرنے کے متعلق امام اعظم اور صاحبین کا حوالہ ہے۔

اب اس آخری حدیث پر ہم غور کرتے ہیں کہ جب نماز قائم کی جائے تو جب مجھے دیکھو کہ (حجرہ سے) نکل گیا ہوں تب کھڑے ہو (حجرہ مسجد سے متصل تھا حجرہ سے نکل کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ تو کیا اقامت پہلے شروع ہو جاتی تھی لوگ بیٹھے رہتے اور جب حضور حجرہ سے باہر مسجد میں تشریف لاتے تب سب لوگ کھڑے ہوتے۔ مگر کس وقت ظاہر ہے اس میں حضور ﷺ کے نکلنے کا وقت درج نہیں۔ اللہ اکبر کے وقت نکلنے اشہدان لا الہ یا اشہدان محمداً کے وقت غرض اقامت کے کسی بھی لفظ کے وقت نکل سکتے تھے تو پھر ''حی علی الصلوٰۃ'' کے وقت کھڑا ہونا کہاں ثابت ہوا بلکہ اس حدیث سے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ اقامت شروع ہوگئی اور حضور ﷺ کسی ضرورت میں مصروف ہوں اور اقامت کے بعد نکلیں تو سب بیٹھے رہیں گے تو پھر نہ تو حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا ہوگا نہ قد قامت کے وقت نماز شروع کرنا اس لئے اس حدیث کا مفہوم درست طور پر سمجھنے کے لئے کچھ محذوف ماننا ہوگا۔ وہ اس طرح کہ اذا قمیت الصلوٰۃ کا مطلب اقامت کہنا نہیں بلکہ مراد ہے اِذا قَرُبَ وَقْتُ اِقَامَةِ الصَّلوٰۃ (یعنی جب اقامۃ کا وقت قریب ہو) پوری حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگ اذان کے بعد سنتوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہو کر انتظار کرتے حضور حجرہ سے باہر تشریف لائیں تو نماز کے لئے اقامت کہی جائے اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں گھڑی تو نہ تھی کہ منٹ اور

سکنڈ کے لحاظ سے حضور ﷺ باہر تشریف لاتے جن نمازوں سے پہلے سنت نہیں جیسے عصر تو اس میں نفل پڑھ کر نکلتے ہوں گے تو دیر ہوتی ہوگی اور لوگوں کا پہلے ہی سے کھڑے ہونا حضور ﷺ کو شاق گذرتا ہوگا اس لئے فرمایا کہ تم بیٹھ کر انتظار کرو اور جب میں باہر نکلوں تب کھڑے ہو تو اس صورت میں سب کا اقامت سے پہلے ہی کھڑا ہونا ثابت ہوگا کیوں کہ حضور ﷺ کو نکلتے دیکھ کر سب کھڑے ہو جاتے ہوں گے جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے پھر حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا کہاں سے ہوا۔ اب اس حدیث پر غور کیجئے جو پہلے گذری (ترجمہ)۔

رسول اللہ ﷺ صفوں کے درمیان داخل ہوتے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک مسح کرتے ہمارے سینوں اور مونڈھوں کو یعنی صفوں کو سیدھا کرنے کے لئے حضور ﷺ اقامت کے وقت جبکہ سب مصلی کھڑے ہوتے تو صفوں کے درمیان جاتے جو آگے ہوتا اس کے سینہ کو ہاتھ سے چھو کر پیچھے کر دیتے اور جو پیچھے ہوتا اس کا مونڈھا پکڑ کر آگے قطار کے برابر کر دیتے ظاہر ہے جب سب لوگ شروع ہی سے کھڑے ہوں تب ہی صفیں سیدھی اس طرح کی جا سکتی تھیں اور پھر صفوں کے درمیان پھرنا اب سوچنے کی بات ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے اور اس کے بعد دو مرتبہ حی علی الصلاح کہا گیا اور فوراً ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہتے ہی نماز شروع کر دینی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ۳-۴ الفاظ کہنے کی مدت میں صفوں کے درمیان گھوم کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک لوگوں کو آگے پیچھے ہٹا کر صفوں کو سیدھی کرنا ممکن ہے جب تک کہ لوگ شروع ہی سے کھڑے نہ ہو گئے ہوں کیونکہ بیٹھی ہوئی صورت میں صفیں درست نہیں کی جا سکتی ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ: حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے میں صرف ایک نکتہ ہے کہ حکم پر عمل کرنے کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن جو پہلے ہی سے حکم پر عمل کرنے کو کھڑا ہے تو اس نے تو اور زیادہ حکم ماننے کا مظاہرہ کیا اس لئے یہ نکتہ قائم نہیں اور پھر یہ کہ صفوں کے درست کرنے کا نہ صرف حکم ہے بلکہ حضور ﷺ اس کا خود اہتمام فرماتے تھے تو حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے

سے صفوں کو برابر کرنا ممکن نہیں جس کی اہمیت ہے یہی وجہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا حفیظ الدین کی مسجد میں شروع ہی سے کھڑے ہونے کا دستور رہا تھا۔ میتن گھاٹ خانقاہ کی مسجد میں بھی، درگاہ شاہ ارزاں میں، پٹنہ اور پھلواری شریف کی تقریباً تمام مسجدوں میں۔ دہلی درگاہ نظام الدینؒ، درگاہ قطب صاحب وغیرہ اجمیر شریف میں شروع ہی سے (اقامت کے) سب کو کھڑے ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔

بات معمولی تھی یعنی افضلیت کی لیکن حضرت لطیفیؒ کے موقف کی وضاحت کے لئے اتنا کچھ لکھا گیا۔ غرض یہ کوئی ناجائز جائز کی بات نہیں افضل ہونے کی بات ہے اس لئے اس میں جھگڑا کرنا فضول ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ کھڑے ہونے کی صورت میں صفوں کے برابر کرنے کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔

(۹) **جھینگا مچھلی کھانا:** اس کے متعلق حضرت لطیفیؒ نے کچھ نہیں لکھا، مگر میرے گھر کا معمول حضرت لطیفیؒ کے وقت سے برابر یہ رہا ہے کہ سب لوگ جھینگا مچھلی شوق سے کھاتے چلے آرہے ہیں میری دادی جان وہ شوق سے پکاتی کھاتی تھیں، اگر حضرت لطیفیؒ اس کا کھانا ناجائز سمجھتے تو ایسا معمول ہرگز نہ ہوتا۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنی کتاب احکام شریعت کے شروع ہی میں اس کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں وہ اس طرح کہ پہلے حلال ہونے کی بات لکھی ہے کہ وہ مچھلی ہے اور مچھلی حلال ہے اخیر میں لکھا ہے کہ ''مگر فقیر نے جواہر اخلاطی میں تصریح دیکھا ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے...... جھینگے کی صورت عام مچھلیوں سے بالکل جدا اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے...... اور کچھ بحث کے بعد اخیر میں لکھا ہے ''بہر حال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرر بچنا ہی اولیٰ ہے''۔

خلاصہ یہ کہ جھینگے کی بہت چھوٹی قسمیں مکروہ تحریمی مان رہے ہیں۔

جبکہ ہمارے یہاں بلا تفریق چھوٹی بڑی سب طرح کی جھینگا مچھلی کھانا بلا کراہیت معمول رہا ہے۔

(۱۰) ہندستان دارالاسلام ہے: دارالاسلام کس ملک کو کہا جائے گا یہ تمام علماء جانتے ہیں۔ ہندستان کے متعلق شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندستان کے اس حصہ (کلکتہ سے دہلی تک) کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیدیا تھا جس میں انگریزوں کا عمل دخل ہو گیا تھا۔ شاہ دہلی کا اثر برائے نام تھا۔ اس زمانہ میں یہ فقرہ مشہور تھا ''سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم'' شاہ عبدالعزیز کا انتقال ۱۸۲۳ء میں ہو گیا اور ۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی میں ہندستانیوں کی ہار کے بعد پورا ملک انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ہزاروں ہندستانی مقتول اور شہید ہوئے۔ بہادر شاہ ظفر قید کر کے رنگون بھیج دیئے گئے تو پورے ملک پر انگریز قابض ہو گئے۔ اسلامی قانون رد اور انگریزی قانون جاری ہو گیا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب انگریزوں کے دور میں تھے۔ انتقال ۱۳۴۰ھ اور وہ فرماتے ہیں ''ہندستان بفضلہٖ دارالاسلام ہے جہاں کے شہروں میں جمعہ جائز ہے''۔ (احکام شریعت از احمد رضا خاں صاحب، ص:۹۱)

حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ سیاسی آدمی نہیں تھے لیکن ایک جگہ انہوں نے ایک دعوت کے جواب میں (ان کو استسقاء کی نماز کی امامت کے لئے کسی نے بلایا تھا) ''اندریں سرزمین کفر و شرک آئین'' یعنی ہندستان کو کفر و شرک کے قانون کی سرزمین قرار دیا اور اس کے آگے مولانا لکھتے ہیں کہ اس نماز میں بدعقیدہ لوگوں کو (جو کفر و شرک سے قریب ہیں) شرکت سے روکنا ممکن نہیں۔ یہ بدعقیدہ لوگ ذمیوں سے کم نہیں ہیں اور حضور ﷺ نے ذمیوں کو استسقاء کی نماز میں شریک کرنے سے منع کیا ہے۔ یہی کہہ کر استسقاء کی نماز میں جانے سے انکار کیا اور گھر پر رہ کر بارش کے لئے دعاء کرنے کو کہا۔

مولانا احمد رضا خان صاحب نے انگریزوں کی ہندستانی حکومت کو دارالاسلام قرار دیا اور ساتھ ہی جنگ عظیم اول میں۔ عالم اسلام کے آخری خلیفہ کو انگریزوں نے قید کیا خلافت کا خاتمہ کیا تو ہندستان میں انجمن خدام کعبہ اور خلافت کمیٹیاں بنیں اور لوگوں نے انگریزوں کے خلاف تحریکیں چلائیں تو ان سب کو خان صاحب نے کافر قرار دیا اور ان تحریکوں کی مخالفت کی

اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو حصہ لینے سے منع کیا یہی نہیں ہندستان میں جتنی جماعتیں بھی تھیں جو انگریزوں کے خلاف تھیں۔ سب کو کفر کا فتویٰ دیا۔ مولانا عبدالباریؒ دیوبندی نہیں تھے۔

حضرت لطیفیؒ کے اس جملہ سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندستان کو دارالاسلام نہیں مانتے تھے اور اس نظریہ کو تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ ان کے صاحبزادے جناب خواجہ وحید اصغر صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلاف کمیٹی کے جلوسوں میں حصہ لیتے تھے۔

شاہ فرید الحق کا قصہ: شاہ فرید الحق عمادی سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب جو بریلی کے مدرسہ منظر اسلام سے فارغ تھے انہوں نے خود مجھ سے کہا کہ مولانا شاہ قائم قتیل داناپوری اپنے مریدوں کے ساتھ حج کو گئے وہاں انہوں نے حرمین کی جماعت میں وہاں کے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ واپسی پر ان کے مریدوں میں بدظنی پھیلی اور کچھ لوگ اعتراض بھی کرنے لگے کہ امام حرمین کے پیچھے نماز نہیں پڑھی کعبہ اور مسجد نبوی کی جماعتوں سے محروم رہے۔ اپنی خفت مٹانے کے لئے قتیل صاحب نے ایک فتویٰ شائع کیا اس میں تمام حرمین کے مسلمانوں کو ساتھ ہی علمائے دیوبند کو کفر کا فتویٰ دیا، تائید کے لئے دستخط کی غرض سے شاہ فرید الحق کے پاس بھیجا۔ یہ فاضل بریلی ضرور تھے مگر خانقاہ عمادیہ پھلواری شریف خانقاہ کی ایک شاخ ہے اور اپنے اسلاف کی طرح فرید الحق بھی علمائے دیوبند کو کافر نہیں مانتے انہوں نے اس پر لکھ دیا کہ دیوبند والوں کو کفر کا فتویٰ اگر دیا جائے تو مولانا احمد رضا خان صاحب کا سلسلہ پیری مریدی کا باطل ہو جائے گا اس لئے کہ ان کے شجرہ میں مارہرہ کے بزرگ کا نام ہے اور مارہرہ والے سب دیوبندی تھے۔ اس پر قتیل صاحب نے شاہ فرید الحق صاحب کو بھی کفر کا فتویٰ دیدیا۔ شاہ فرید الحق صاحب میرے ہمزلف تھے اور خانقاہ کے اختلاف میں انہوں نے میری حمایت تحریری طور پر کی تھی۔

(۱۱) یوم ولادت اور یوم وفات منانا: یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں حضرت لطیفیؒ دیوبند والوں کے خلاف ہیں اس لئے کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کو فاتحہ اور ۶ رجب کو حضرت خواجہ

اجمیریؒ کا عرس اور ٦ شوال کو حضرت مخدوم بہاریؒ کا عرس مناتے تھے لیکن اس میں وہ اہل بریلی کی پیروی نہیں کررہے تھے اس لئے کہ یہ رسمیں تو صدیوں پہلے سے چلی آرہی تھیں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ میں بریلوی حضرات سے ان کا اختلاف نہیں تھا۔

(١٢) متبرک راتوں اور دنوں کی باتیں: متبرک راتوں جیسے ٢٧ ویں رجب، پندرہویں شعبان کی راتیں اور بعض راتیں جیسے رمضان میں قدر کی رات ان میں عبادت کی کثرت کرنے تسبیح تلاوت وغیرہ میں مشغول ہونے کے لئے حکم دیا ہے لیکن حلوا روٹی یا چراغاں دیوالی کی طرح کرنا ان سب فضولیات کا تذکرہ نہیں ہے۔ بریلوی حضرات حلوہ روٹی چراغاں کرنے کو کہتے ہیں۔ فضیلت والے انیس دن لکھے ہیں ان میں ١٠ محرم کا ذکر ہے۔ اس میں روزہ رکھنے کو کہا ہے اور تمام فضیلت والے دنوں میں مسلسل اوراد و وضائف کو صوفیاء نے لازم قرار دیا ہے۔ چالیسواں محرم کا کوئی تذکرہ نہیں اور ١٠ محرم میں نہ ڈھول باجہ نہ جھنڈا نہ کھیل کود حتی کہ فاتحہ تک کا کوئی حکم انہوں نے نہیں دیا البتہ ١٠ محرم کو اپنے گھر والوں کو مقدور ہو تو غریبوں کو اچھا کھانا کھلانے کا ثواب بتایا ہے۔

سماع بالمزامیر (باجہ کے ساتھ گانا سننا): یہ مسئلہ بظاہر اختلافی معلوم ہوتا ہے لیکن یہ غور طلب ہے کہ اختلاف کن کن لوگوں کو ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اہل حدیث اس کے مخالف ہیں اور ناجائز کہتے ہیں اور علمائے دیوبند بھی اس کے خلاف ہیں اور ناجائز کہتے ہیں۔ اب رہ گئے بریلوی حضرات تو اپنے کو بریلوی کہنے والے عوام سمجھتے ہیں کہ بریلوی علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بریلویوں کے قائد مولانا احمد رضا خان صاحب بہت شدت سے باجوں کی مخالفت کرتے ہیں اور مختلف فتوؤں میں اس کو ظاہر بھی کیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ ان کا فیصلہ بیان کردیا جائے تا کہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو۔

مولانا احمد رضا خان صاحب ایک سوال کے جواب میں جس میں خانقاہوں میں باجوں کے ساتھ قوالی ہونے اور ان پیروں سے مرید ہونے اور بعض بزرگ کے متعلق قوالی میں

وصال ہو جانے کے سلسلہ میں ہے کہ ایسے پیروں سے مرید ہونا کیسا ہے باجے جائز ہیں یا نہیں۔

الجواب: خالی قوالی جائز ہے اور مزامیر حرام زیادہ غلو اب منتسبان سلسلہ عالیہ چشتیہ کو ہے اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں مزامیر حرام است۔ حضرت مخدوم شرف الملۃ والدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے مزامیر کو زنا کے ساتھ شمار کیا ہے۔ اکابر اولیاء نے ہمیشہ فرمایا ہے کہ مجرد شہرت پر نہ جاؤ جب تک میزان شرع پر مستقیم نہ دیکھ لو پیر بنانے کے لئے جو چار شرطیں لازم ہیں ان سے ایک یہ بھی ہے کہ مخالف شرع مطہر آدمی خود اختیار نہ کرے ناجائز فعل کو ناجائز ہی جانے اور ایسی جگہ کسی ذات خاص سے بحث نہ کرے۔

احکام شریعت از مولانا احمد رضا خان صاحب حصۂ دوم، ص: ۶۱-۶۰

علاوہ بریں حضرت سلطان المشائخ حضرت نظام الدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے سماع کے جائز ہونے کے لئے یہ شرطیں رکھی ہیں ۱۔ گانے والا پورا مرد ہو لیکن لڑکا نہ ہو (داڑھی والا ہو داڑھی منڈا نہ ہو) عورت نہ ہو ۲۔ سننے والا یادِ حق سے غافل نہ ہو (یعنی خدا کی طرف دھیان ہو دنیاوی معشوق کی طرف نہیں) ۳۔ جو گایا جائے فحش اور مسخرگی نہ ہو (بلکہ حمد نعت یا دین جذبات ابھارنے والی غزل ہو) ۴۔ سماع کے آلات جیسے چنگ ورباب اور اس کے مثل (یعنی طبلہ، ڈھول، ستار، ہارمونیم غرض دف کو چھوڑ کر تمام باجے) گانے کے درمیان نہ ہوں تب وہ سماع (قوالی سننا) حلال ہے۔ (احکام شریعت، ج:۱ص:۲۹)

غرض ایک طرف علماء کے فتوے ساتھ ہی اہل طریقت جیسے حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مخدوم بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلے سماع کے حرام ہونے پر موجود ہیں بعض عالم صوفی نے لکھا ہے کہ باجوں کے ساتھ قوالی کے حرام ہونے پر کسی کا اختلاف نہیں ہے (یعنی نہ علماء کا نہ صوفیاء کا) اختلاف ہے بغیر باجہ کے قوالی کے متعلق ہے۔ جو لوگ جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے شعراء ان کی تعریف میں نظم پڑھتے تھے خاص کر حضرت حسان بن ثابت کفار کے ہجویہ اشعار کا جواب حضور ﷺ کے سامنے پڑھتے تھے اور یہ کہ شادی کے موقع

پر کم سن بچیوں کا گانا دف کے ساتھ حضور ﷺ نے سنا۔

لیکن ناجائز کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ اتفاقی طور پر ہوتا تھا لیکن اس کو ایک رسم بنا کر لوگوں کو بلا کر محفل آراستہ کر کے ایک معمول بنالینا جیسے یہ بھی کوئی عبادت ہو اچھا نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں جہاں مولانا احمد رضا خاں صاحب نے شدت سے باجوں کے ساتھ قوالی کی مخالفت کی ہے وہیں حال قال کا بھی مذاق اڑایا ہے اور یہ توہین آمیز جملہ لکھا ہے کہ ''معلوم ہوتا ہے شیطان پیچھے سے انگلی کرتا ہے اور وہ خوب اچھلتا کودتا ہے'' (احکام شریعت)۔

یہ تو تصویر کا ایک رخ ہوا علمائے دیو بند بھی مزامیر کو حرام لکھتے ہیں لیکن بعض باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ توہین آمیز طریقہ اختیار نہیں کرتے، چند واقعات درج ذیل ہیں۔

(۱) دیو بند کے دو طالب علم جو اونچے درجوں میں پڑھتے تھے سہار نپور ہی کے آس پاس کے تھے ایک دفعہ اپنے گھر گئے ان کے والد صوفی تھے اور سماع کے شوقین اس قدر تھے کہ اس کے بغیر ان کو چین نہیں ہوتا تھا لڑکوں نے ان کو سمجھایا تو انہوں نے سننا چھوڑ دیا کچھ دنوں کے بعد دونوں لڑکے گھر آئے اور خدمت کے لئے باپ کے ہاتھ پاؤں دابنے لگے تو محسوس کیا کہ ان کے سارے بدن پر آبلے پڑے ہوئے ہیں وجہ پوچھی تو بتایا کہ تم نے منع کر دیا تھا میں نے سننا چھوڑ دیا تو یہ حال ہو گیا ان دونوں نے کہا کہ جب یہ حال ہے تو آپ کے لئے جائز ہوگا۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ چند سال پہلے کشن گنج مدرسہ انجمن اسلامیہ کے ایک جلسہ کے بعد ایک کمرے میں قاضی مصلح صاحب فاضل دیو بند پرنسپل مدرسہ اور شاہ منت اللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ رحمانی، مونگیر و امیر شریعت، بہار و اڑیسہ، فاضل دیو بند اور میں جمع تھے اور کوئی نہیں تھا مختلف مسائل پر بات ہو رہی تھی اسی میں سماع بالمزامیر کی بات نکلی تو انہوں نے کہا کہ حرام ہونے کا فتویٰ تو دیا جاتا ہے لیکن یہ اس طرح کی چیز تو نہیں جیسے زنا کاری، شراب پینی، ڈاکہ ڈالنا یا چوری کرنا۔ حضرت مولانا شاہ بدر الدین پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ جو پہلے امیر شریعت تھے اور بہت بڑے بزرگ اور عالم دین تھے وہ باجوں کے ساتھ قوالی سنتے تھے اور اس زمانہ میں

دیوبند کے بڑے بڑے علماء موجود تھے لیکن ان کی ولایت میں کسی کو شک نہیں تھا۔

(۳) تیسرا واقعہ اور اہم ہے۔ وہ یہ کہ مولانا احمد حسن کانپوری کا انتقال قوالی سنتے ہوئے ایک شعر پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اسی کو پڑھتے پڑھتے ان کی روح پرواز کرگئی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی مجلس میں بعد عصر لوگ جمع تھے کسی نے پوچھ لیا کہ ان کی موت کیسی ہوئی تو اس وقت یہ سوال مولانا کو ناگوار ہوا اور بہت عجیب انداز میں کہا ''فاسقوں کی موت ہوئی'' اور خاموش ہوگئے بہت سنجیدہ ہوگئے خدام خاص نے یہ بات محسوس کی اور پھر کچھ نہیں پوچھا رات کو سونے سے پہلے خاص خدام موجود تھے انہوں نے پوچھا کہ حضرت آپ سے بعد عصر سوال کیا گیا تو آپ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا بات کیا ہے آخر مولانا احمد حسن صاحب کی موت کیسی ہوئی تو، کہا کہ بہت اچھی موت ہوئی وہ بہت اونچے درجہ کے بزرگ تھے ان کا بڑا اونچا مقام تھا۔ تب خادم نے کہا کہ حضرت اس وقت آپ نے دوسرا جواب دیا تو کہا کہ کیا کرتا عوام کا مجمع تھا اور شریعت کے ظاہری حکم کو بیان نہ کرتا تو کیا کرتا۔ اس واقعہ کی طرف سوال کرنے والے نے اشارہ سے پوچھا تھا کہ بعض کا سماع میں وصال سنا ہے تو جواب میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہ لکھا: ''ناجائز فعل کو ناجائز ہی جانے کسی ذات خاص سے بحث نہ کرے'' اس سوال سے وہ اپنا دامن بچا گئے۔

مزامیر کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے یہ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ سلسلہ صوفیوں کے یہاں کیوں شروع ہوا۔ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ باجہ ماقبل تاریخ سے آدمیوں میں رائج رہا ہے یہاں تک کہ جہاں لوگ نبیوں کی تعلیم اور پیغامات سے محروم رہے وہاں لوگوں نے خیالی بت بنائے اور ان کو گیان دھیان کا مرکز بنالیا اور باجہ اور گانے سے انجان روحوں کو خوش کر کے خیال کرتے کہ ہم نے خدا کو خوش کرلیا ساتھ ہی بتوں کو وسیلہ سمجھ کر پھل، مٹھائی وغیرہ چڑھاوے چڑھانے لگے یہاں تک کہ جانور کی بلی بھی دینے لگے باجہ گانے کے ساتھ رقص (ناچ) کو بھی عقیدت کے اظہار کا ذریعہ سمجھ لیا۔

صوفی حضرت اکثر مغلوب الحال رہتے ہیں اور اکثر ان پر گیان دھیان کی وجہ سے ''سُکر'' (بے خودی) کی کیفیت طاری رہتی ہے ممکن ہے لوگوں کی بھگتی کے انداز کو دیکھ کر ''دف'' اور گانے کا سلسلہ روحانی اشتغال اور سرمستی کے لئے شروع کیا اور آہستہ آہستہ اور باجے بھی آتے چلے گئے۔ پھر بھی مستند صوفیوں سے جو روایتیں ملتی ہیں انہوں نے قوالی کو تو اختیار کیا مگر باجوں کو (سوائے دف کے) رد کر دیا جیسا کہ میں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ نقل کر دیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی دو کتابیں خاص تصوف کی ہیں ایک ''ھَمعات'' فارسی میں اس میں ایک جگہ ''قبض'' کا علاج لکھا ہے یہ ایک خاص اصطلاح صوفیوں کی ہے اس کا مطلب ہے کہ عبادت میں فرحت ختم ہو جاتی ہے جی نہیں لگتا طبیعت بے کیف رہتی ہے اس کے مقابلہ میں ایک اصطلاح ہے ''بسط'' یعنی دل کھل جاتا ہے عبادت میں جی لگتا ہے فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور قبض میں گھٹن، بے دلی ہوتی ہے جو صوفی پر شاق ہے۔ اس کا علاج شاہ ولی اللہ صاحب نے موسیقی (راگ، گانا) تجویز کیا ہے اور جب بسط حاصل ہو جائے تو بند کر دے۔ ''ھمعات'' تصوف کے فلسفہ پر کتاب ہے۔ اور ایک کتاب تصوف کے اداب و اشغال پر ہے اس کا نام ''القول الجمیل'' ہے یہ عربی میں ہے اس میں جھاڑ پھونک تعویذات بھی ہیں اس میں یہ بات لکھی ہے۔ اختصار کے خیال سے ترجمہ پیش ہے۔ یہ کہ صوفیوں کے طریقوں کی ترجیح کی بات نہ کرے بعض کی بعض پر۔ اور ان میں سے مغلوب (بے خود) لوگوں پر انکار نہ کرے اور نہ سماع وغیرہ سے متعلق تأویل کرنے والوں پر انکار کرے اور بذات خود پیروی نہ کرے مگر اس چیز کی جو سنت سے ثابت ہے۔

القول الجمیل، ص: ۱۳۹، مطبوعہ ولی اللہ اکیڈمی، لاہور، پاکستان۔

اب ان بیانات کی روشنی میں یہ بتاتا ہوں کہ حضرت لطیفیؒ سماع بالمزامیر پر عمل کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور نہ ہی وہ اپنے

مریدوں کو اس کی ہدایت کرتے تھے بلکہ جیسا کہ مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ نے بتایا کہ وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے تھے کہ کیا کریں اپنے پیر کی بدولت یہ عادت پڑ گئی ہے۔

ماسٹر معین الدین صاحب عماد پوری جو اپنی اخیر عمر میں جبکہ میں مدرسہ کا ناظم تھا مدرسہ لطیفیہ کے مدرس تھے انہوں نے بتایا کہ ''حضرت لطیفیؒ قوالی کی محفل میں عام لوگوں کو شریک ہونے نہیں دیتے تھے کچھ خاص لوگ جو اہل سلسلہ ہوتے تھے وہی شریک ہو سکتے تھے اور مجلس دکھن مکان مدرسہ میں ہوتی تھی خانقاہ میں نہیں اور ہم لوگ باہر پہرہ دیتے تھے کسی کو وہاں آنے نہیں دیتے تھے''۔ میں نے پہلے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے حوالہ سے ۴ شرطیں سماع کی درج کی ہیں ان کے علاوہ ایک شرط اور ہے حاضرین اخوان ہوں یعنی سب اہل طریقت ہوں۔

غرض اس مسئلہ میں حضرت لطیفیؒ کا اختلاف، اہل حدیث دیوبند بریلی تمام طبقوں سے ہے۔ مخالفت میں خاں صاحب زیادہ سخت ہیں۔ اہل حدیث بھی۔ علمائے دیوبند غالباً شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قول کے مطابق ہنگامہ آرا نہیں ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ کچھ لوگ یہ سمجھ کر چشتی بزرگ باجہ کے قائل ہیں تمام قسم کے باجوں اور عورتوں کے گانوں اور ہر قسم کے گانے فحش وغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں وہ سخت غلط اور گمراہی ہے جس کی کوئی حمایت نہیں کرتا۔

ہر لوالہوس نے حسن پرستی شعار کی اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اب اپنا ایک قصہ یاد آ گیا وہ یہ کہ میں نے دارالعلوم دیوبند سے اگست ۱۹۴۷ء فاضل پاس کر لیا لیکن اس کے بعد ۱۹۴۸ء کے ختم تک دارالعلوم میں رہا اور اونچے درجہ کی وہ کتابیں پڑھتا رہا جو موقوف علیہ دورہ سے خارج تھیں یعنی ضروری نصاب سے خارج تھیں۔ اس سنہ کی آخری تاریخ یعنی ۳۱ دسمبر کو میں اور میرے ساتھ میرا مضمون نگاری اور فوجی ٹریننگ کا ایک شاگرد مشتاق گیاوی دونوں دارالعلوم سے قریب ایک اُجاڑ سے محلّہ میں حافظ نثار کے یہاں گئے یہ میوزک ماسٹر تھے اور لاہور کے کسی میوزک اسکول میں ٹیچر تھے۔ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند

کے بعد وہ گھر آ گئے ہم لوگوں کو معلوم ہوا تو ان سے پہلے بات طئے کر کے) حافظ صاحب نابینا تھے انہوں نے ہم لوگوں کو موسیقی کے متعلق باتیں بتائیں اور چند کتابوں کے نام بتائے اور سر گم کی مشق کرائی کہ کس طرح ہر بول کے بعد آواز آہستہ آہستہ بدلتی ہے ہم لوگوں نے کچھ دنوں تک مشق کی اور راگ کھماج کی مشق کی لیکن وہ زمانہ بڑی ہنگامہ آرائیوں کا تھا اور میں مدرسہ میں جمعۃ الطلبہ کا نائب صدر تھا، رات کو پہرہ دلانا۔ پھر پڑھنا اور مضامین لکھنا اور ایک کتاب کی شرح لکھتا اور کچھ طلبہ کو مضمون نگاری سکھاتا ان سب مشاغل کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

حاصل کلام یہ کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے نزدیک حضرت لطیفیؔ کی بخشائش تو ہو سکتی ہے مگر خاں صاحب کے نزدیک نہیں۔

مولانا گنگوہی کے متعلق دو واقعات اور ہیں جن کو پڑھنے سے ان کے مزاج اور طرز عمل کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ایک تھے مولوی یعقوب نانوتوی یہ مولانا قاسم نانوتوی اور رشید احمد صاحب کے ساتھ انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں لیڈر کی حیثیت سے لڑتے تھے شکست کے بعد مکہ چلے گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے جب واپس ہوئے تو یعقوب صاحب بہت چنچل تھے کہنے لگے کہ ہم کو تو کچھ نہیں ملا (یعنی سلوک کی تکمیل نہیں ہوئی) اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ تم جاؤ تمہارے دونوں ساتھی جو کہیں اس پر عمل کرنا اسی میں تم کو مل جائے گا۔ جب ہند آئے اور دارالعلوم دیوبند کا قیام ہوا تو دونوں نے ان سے کہا کہ مدرسہ میں حدیث پڑھائیں آپ کا سلوک طئے ہو جائے گا۔ وہ بے چین طبیعت کے آدمی تھے۔ اجمیر چلے گئے اور حضرت خواجہ اجمیری کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر مراقبہ میں مصروف ہو گئے تو ان کو کشف ہوا کہ آج سے تمہاری عمر ۱۰ سال ہے تم حدیث پڑھاتے رہو اسی میں تم مل جائے گا۔ وہاں سے واپس ہوئے تو گنگوہ کی راہ لی۔ ادھر گنگوہ میں مولانا گنگوہی بعد عصر اپنی محفل میں بیٹھے تھے اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور قصبہ سے باہر آئے دیکھا کہ دور سے کوئی خاک اڑاتا چلا آ رہا ہے قریب آئے تو یعقوب صاحب تھے۔ سلام کے بعد

مریدوں کو اس کی ہدایت کرتے تھے بلکہ جیسا کہ مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ نے بتایا کہ وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے تھے کہ کیا کریں اپنے پیر کی بدولت یہ عادت پڑ گئی ہے۔

ماسٹر معین الدین صاحب عماد پوری جو اپنی اخیر عمر میں جبکہ میں مدرسہ کا ناظم تھا مدرسہ لطیفیہ کے مدرس تھے انہوں نے بتایا کہ ''حضرت لطیفیؒ قوالی کی محفل میں عام لوگوں کو شریک ہونے نہیں دیتے تھے کچھ خاص لوگ جو اہل سلسلہ ہوتے تھے وہی شریک ہو سکتے تھے اور مجلس دکھن مکان مدرسہ میں ہوتی تھی خانقاہ میں نہیں اور ہم لوگ باہر پہرہ دیتے تھے کسی کو وہاں آنے نہیں دیتے تھے''۔ میں نے پہلے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے حوالہ سے ۴ شرطیں سماع کی درج کی ہیں ان کے علاوہ ایک شرط اور ہے حاضرین اخوان ہوں یعنی سب اہل طریقت ہوں۔

غرض اس مسئلہ میں حضرت لطیفیؒ کا اختلاف، اہل حدیث دیوبند بریلی تمام طبقوں سے ہے۔ مخالفت میں خاں صاحب زیادہ سخت ہیں۔ اہل حدیث بھی۔ علمائے دیوبند غالباً شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قول کے مطابق ہنگامہ آرا نہیں ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ کچھ لوگ یہ سمجھ کر چشتی بزرگ باجہ کے قائل ہیں تمام قسم کے باجوں اور عورتوں کے گانوں اور ہر قسم کے گانے فحش وغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں وہ سخت غلط اور گمراہی ہے جس کی کوئی حمایت نہیں کرتا۔

ہر لوالہوس نے حسن پرستی شعار کی   اب آبرو نے شیوۂ اہل نظر گئی

اب اپنا ایک قصہ یاد آ گیا وہ یہ کہ میں نے دارالعلوم دیوبند سے اگست ۱۹۴۷ء فاضل پاس کر لیا لیکن اس کے بعد ۱۹۴۸ء کے ختم تک دارالعلوم میں رہا اور اونچے درجہ کی وہ کتابیں پڑھتا رہا جو موقوف علیہ دورہ سے خارج تھیں یعنی ضروری نصاب سے خارج تھیں۔ اس سنہ کی آخری تاریخ یعنی ۳۱ دسمبر کو میں اور میرے ساتھ میرا مضمون نگاری اور فوجی ٹریننگ کا ایک شاگرد مشتاق گیاوی دونوں دارالعلوم سے قریب ایک اجاڑ سے محلہ میں حافظ نثار کے یہاں گئے یہ میوزک ماسٹر تھے اور لاہور کے کسی میوزک اسکول میں ٹیچر تھے۔ ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند

کے بعد وہ گھر آ گئے ہم لوگوں کو معلوم ہوا تو ان سے پہلے بات طئے کر کے) حافظ صاحب نابینا تھے انہوں نے ہم لوگوں کو موسیقی کے متعلق باتیں بتائیں اور چند کتابوں کے نام بتائے اور سرگم کی مشق کرائی کہ کس طرح ہر بول کے بعد آواز آہستہ آہستہ بدلتی ہے ہم لوگوں نے کچھ دنوں تک مشق کی اور راگ کھماج کی مشق کی لیکن وہ زمانہ بڑی ہنگامہ آرائیوں کا تھا اور میں مدرسہ میں جمعۃ الطلبہ کا نائب صدر تھا، رات کو پہرہ دلانا۔ پھر پڑھنا اور مضامین لکھنا اور ایک کتاب کی شرح لکھتا اور کچھ طلبہ کو مضمون نگاری سکھاتا ان سب مشاغل کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

حاصل کلام یہ کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے نزدیک حضرت لطیفیؒ کی بخشائش تو ہو سکتی ہے مگر خاں صاحب کے نزدیک نہیں۔

مولانا گنگوہی کے متعلق دو واقعات اور ہیں جن کو پڑھنے سے ان کے مزاج اور طرز عمل کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ایک تھے مولوی یعقوب نانوتوی یہ مولانا قاسم نانوتوی اور رشید احمد صاحب کے ساتھ انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں لیڈر کی حیثیت سے لڑتے تھے شکست کے بعد مکہ چلے گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے جب واپس ہوئے تو یعقوب صاحب بہت چنچل تھے کہنے لگے کہ ہم کو تو کچھ نہیں ملا (یعنی سلوک کی تکمیل نہیں ہوئی) اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ تم جاؤ تمہارے دونوں ساتھی جو کہیں اس پر عمل کرنا اسی میں تم کو مل جائے گا۔ جب ہند آئے اور دارالعلوم دیوبند کا قیام ہوا تو دونوں نے ان سے کہا کہ مدرسہ میں حدیث پڑھائیں آپ کا سلوک طئے ہو جائے گا۔ وہ بے چین طبیعت کے آدمی تھے۔ اجمیر چلے گئے اور حضرت خواجہ اجمیری کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر مراقبہ میں مصروف ہو گئے تو ان کو کشف ہوا کہ آج سے تمہاری عمر ۱۰ سال ہے تم حدیث پڑھاتے رہو اسی میں تم مل جائے گا۔ وہاں سے واپس ہوئے تو گنگوہ کی راہ لی۔ ادھر گنگوہ میں مولانا گنگوہی بعد عصر اپنی محفل میں بیٹھے تھے اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور قصبہ سے باہر آئے دیکھا کہ دور سے کوئی خاک اڑاتا چلا آ رہا ہے قریب آئے تو یعقوب صاحب تھے۔ سلام کے بعد

گنگوہی صاحب نے دور ہی سے کہا کہ "ہم پر کوئی احسان نہیں بھائی ہم پر کوئی احسان نہیں"۔ رات کو خادموں نے حضرت گنگوہی سے پوچھا کہ آپ کے جملے کا کیا مطلب کہ "احسان نہیں"۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے جو ان سے کہا تھا نہیں مانا اب خواجہ صاحب کے یہاں سے ان کو وہی بتایا گیا اب وہ آکر کہتے کہ آپ لوگوں کی بات مان لی اور احسان جتاتے۔ آگے واقعہ یہ کہ ٹھیک اس دن سے ۱۰ سال پورے ہونے پر ان کا انتقال ہو گیا اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) اللہ کے حکم سے اولیاء اللہ کے ذریعہ لوگوں کو پیغام دیا جاتا ہے۔ (۲) کشف قبر کے عمل سے اہل اللہ کی روح سے رابطہ ہوتا ہے لیکن یہ کہ وہ از خود کچھ نہیں کر سکتے اس لئے کہ شاہ ولی اللہ کے مطابق ان کا شمار فرشتوں کی جماعت سے ہو جاتا ہے جو دنیا کے کام انجام دینے پر مامور ہیں مگر وہ صرف خدا کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں خود کچھ نہیں کر سکتے۔ (۳) مولانا گنگوہی صاحب کشف تھے خدا کی طرف سے ان کو وہ بات بتا دی گئی جو مولانا یعقوب کو پیش آئی تھی۔ (۴) مولانا یعقوب بھی صاحب کشف تھے۔

اب ایک واقعہ اور "مولانا رشید احمد کے پاس مولانا حسین احمد مدنی نے روضہ مبارک ﷺ کی خاک اور ۳ کھجوریں بھیجیں جو مسجد نبوی کے درخت کی تھیں (اگلے زمانہ میں ۱۳۱۸ھ تک مسجد نبوی کے صحن میں بھی کھجوروں کے درخت تھے) مولانا نے غبار کو سرمہ میں ڈال لیا یہ سرمہ روز استعمال کرتے تھے کھجوروں کو بہتر ۷۲ حصہ میں تقسیم کیا اور دوسری کھجوریں جو مدینہ منورہ کی تھیں ان کو تقسیم کر کے فرمایا گٹھلیاں نہ پھینکی جائیں۔ ان گٹھلیوں کو ہاون دستہ میں پسوا کر رکھ لیا روزانہ اس میں سے تھوڑی سی پھانک لیا کرتے تھے (تاریخ مدینہ:۷۲) یہ واقعات اس لئے میں نے لکھے کہ مولانا گنگوہی کا مرتبہ معلوم ہو، اسی وجہ سے حضرت لطیفیؒ ان کے انتقال پر مغموم ہو گئے تھے)۔